उ० ६२

۷۸۶

دعوتِ حق

दावत-ए-हक़

शेख मो० मुस्तनसरुल्लह
बनारसी बाग, लखनऊ

مرتبہ

شیخ محمد مستنصر اللہ
بنارسی باغ - لکھنؤ

[illegible]

उ०
62

دعوتِ حق

दावत-ए-हक

शेख मो० मुस्तन सरुल्लह
बनारसी बाग, लखनऊ

مرتبہ

شیخ محمد مستنصر اللہ
بنارسی باغ۔ لکھنؤ

۷۸۶

دعوت حق

شیخ محمد مستنصر اللہ

Mohit

باسمہ تعالیٰ

پیش لفظ

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

حضرات!

باری تعالیٰ کا مذکورہ بالا ارشاد ان لوگوں سے ہے جو نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ہیں کہ "اے لوگو! تم ان امتوں میں سے سب سے بہتر ہو جو بھیجی گئیں (چونکہ تمہارے سپرد یہ منصب کیا گیا) کہ تم اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ معلوم ہوا کہ دین کی تکمیل کے بعد دعوت عام کر دی گئی اور اس امت کے لوگوں کا یہ فرض ہو گیا کہ حق کی دعوت دیتے رہیں یوں بھی انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ جس شئی کو وہ اچھا سمجھتا ہے دوسرے بھی اس سے مستفیض ہو جائیں۔ یہ خصلت انسان میں خداداد ہے۔ حتیٰ کہ ایک شرابی کی بھی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ شریک ہو کر مے نوشی کریں اگرچہ وہ ایک برا فعل کر رہا ہے، لیکن وہ اسی میں مسرت محسوس کرتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ جو نیک چیز جس کو محبوب ہے اس کی دعوت وہ دوسروں کو نہ دے تاکہ دوسرے اس سے مستفیض ہو جائیں اور جبکہ باری تعالیٰ کا منشا بھی یہی ہو اس بنا پر ضروری سمجھا کہ اس دین حق کو جو انسان کو صحیح طریقہ کار کی دعوت دیتا ہے اور جس کے حق ہونے کا خالق کائنات نے دنیا کے انسانوں کیلئے ایک چیلنج دیا ہے کہ دنیا میں با عافیت وصلاحیت اور پسندیدہ زندگی بسر کرنے کے لئے اس خدائی دین یا طریقہ ک

بہتر کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی آئندہ پیش کر سکتا ہے، اور آخر کار انسان کو طوعاً یا کرہاً یعنی خوشی یا ناخوشی سے اسے ہی قبول کرنا پڑیگا۔ چنانچہ اس رسالہ میں بعض مثالیں ایسے فرقوں کی پیش کی گئی ہیں جو دین الٰہی کے بعض احکامات قبول کرتے جا رہے ہیں۔ میں نے مناسب سمجھا کہ دعوت حق کے فریضہ کو پیش کر کے اس حقیقی مسرت کو حاصل کر دوں جو ایک انسان کو دوسرے انسان کی نعمت دیکھ کر پیدا ہوتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ خود کو خوشنودی حق کا مستحق بنا سکوں۔ اس کی تکمیل کی خاطر یہ مناسب معلوم ہوا کہ کتاب الٰہی کے وہ اجزا اختصار کیساتھ پیش کئے جائیں جو ایک انسان کی دنیاوی زندگی کے برتنے کیلئے از بس ضروری ہیں ونیز یہ بھی ثابت کیا جائے کہ اس دین حق کی ابتدا اس روز اول سے ہوئی جبکہ دنیا میں پہلا انسان آیا اور جوں جوں وہ اپنے سیکھے ہوئے علم سے اس دنیا کو اپنے لئے بہتر بناتا رہا اسی لحاظ سے یہ بھی ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اپنے جملہ کاموں کی جانچ پڑتال کرتا رہے کہ کہیں وہ منشاء الٰہی کی خلاف ورزی تو نہیں کر رہا ہے۔ اسکے لئے سب سے پہلے ضروری تھا کہ منشاء الٰہی کو معلوم کرے جو ظاہر ہو چکا تھا۔ اسی کو ظاہر کرنے کیلئے پیغمبروں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا اور آخر کار ایک دن دنیا اس درجہ پر پہونچی کہ اسکے نشو و نما، تربیت اور بود و باش کے سلسلے میں جسقدر کام تھے وہ سب کے سب اوسطاً سامنے آگئے۔ مثلاً اس کی پیدائش و تربیت سے متعلق فرائض والدین حصول علم خوردنی اشیاء کا مہیا کرنا، تن پوشی کا سامان، معاملات زندگی اور لوگوں سے برتاؤ، آپس کے تنازعات، عدل و انصاف، طریقۂ حکومت وغیرہ وغیرہ۔ جیسے جیسے یہ سامنے آتے گئے ان کے متعلق قانون الٰہی کا نفاذ بھی ہوتا رہا اور بالآخر نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس طریقہ یا دین کو مکمل کر کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

خاکسار نے ان تمام احکام کے حق بجانب ہونے پر روشنی ڈالی ہے اور یہ ثابت کیا کہ

کہ عقل و تدبر، علم اور موجودہ سائنس کی روشنی میں بھی اگر مشاہدہ کیا جائے تو انشاء اللہ یہ دین پورا اترے گا و نیز یہ بھی بتایا ہے کہ اس کی آیات اور پیشین گوئیاں آج ثابت ہوتی چلی جارہی ہیں جو اس کے دین حق ہونے کا بین ثبوت ہیں۔ لہٰذا یہ دین ایک دعوت عام کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہر مذہب کا پیرو اس کتاب کو غیر جانبدارانہ نقطۂ نظر سے مطالعہ میں لائے اور اگر اسے اپنی انفرادی زندگی اور سوسائٹی کے لئے مفید سمجھتا ہے تو اسے قبول کرے کہ جس سے نہ صرف دنیا کو امن اور ابدی چین نصیب ہوگا بلکہ دنیا شر اور فساد سے محفوظ رہے گی۔ اس دین الٰہی پر غور کرتے وقت محض اس کے ان تمام متبعین پر نظر نہ ڈالیں جو اس دین پر اس وجہ سے قائم ہیں کہ یہ دین ان کو اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملا ہے بلکہ دین الٰہی کے طریقۂ کار اور اس کے عملی نتائج پر غور کریں جو دین الٰہی نے پیش کئے ہیں تو انشاء اللہ یہ بات واضح ہو جائے گی کہ دنیا کے فلاح و سدھار کے لئے یہی ایک طریقہ ہو سکتا ہے جس کو دین الٰہی ہونے کا دعویٰ ہے اور جو اس کتابچہ میں ثابت بھی کیا گیا ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

خادم خلق

محمد مستنصر اللہ

مذہب ایک دستور حیات ہے

انسان کے لئے دنیاوی زندگی خوش اسلوبی سے بسر کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے لئے کوئی ضابطہ قانون یا طریقہ مرتب کرکے اس پر عمل درآمد کرتا رہے۔ اور وہ اس کو اپنے لئے ایک دستور کی جگہ دے۔ اسی طریقہ، دستور، قواعد یا قانون ہی کا دوسرا نام مذہب ہے۔ مذہب انسان کے لئے ایک راہ عمل کا تعین کرتا ہے

اقرار خالق اس کے وجود کائنات کے باعث اس مقصد کی تکمیل کی غرض سے

سے یہ مناسب اور ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے وجود پہ غور و فکر کرے۔ کہ وہ کیونکر عالم وجود میں آیا۔ اگرچہ بظاہر تو اس کے اس دنیا میں وجود کا باعث اس کے والدین ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں پیہم غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجے پر پہونچنے پر مجبور ہے کہ اس کے والدین کے علاوہ حقیقی خالق کوئی دوسرا ہے۔ چونکہ وہ اپنے کو جس ماحول میں پاتا ہے۔ مثلاً یہ کشادہ اور پھیلی ہوئی جو زمین جس پہ وہ متمکن ہے اور اس پہ بعض بعض جگہ پہاڑوں کا وجود، چشمے، دریا، سبزے، درخت اس کی غذا کے لئے غلہ، پھل اور ترکاریاں، اس کی سواری اور استعمال کے لئے مختلف قسم کے حیوانات، چرند پرند وغیرہ۔ جن سے وہ علاوہ سواری اور دیگر فوائد حاصل کرنے کے، اپنی غذا حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح معدنیات چاندی سونا، لوہا، پیتل، نمک، تیل و پٹرول، جن کی وجہ سے وہ مختلف فوائد حاصل کر رہا ہے۔ اسی طرح جب وہ آسمان کی طرف نظر کرتا ہے تو اسے چاند، ستارے اور روشن سورج نظر آتا ہے، غرض یہ ان جملہ اشیاء کے وجود اور ان کے فوائد پر جب نظر ڈالتا ہے جو اس کی حیات کے لئے ممد و معاون بنے ہوئے ہیں تو وہ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ واقعی ان سب کا بھی کوئی خالق ضرور ہے۔ لہذا اس خالق کائنات کل کے تسلیم کرنے کے بعد اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ یہ بھی تسلیم کرے کہ جب وہ اس کا خالق ہے اور اس کے حکم سے سب کا وجود قائم ہے تو لازمی طور پر وہی ان کا مالک بھی ہے۔ لہذا مالک کا منشاء تخلیق کائنات کے معلوم کئے بغیر یہ

دشوار ہے کہ ہم صحیح طور پر اپنے وجود کو عملی حیثیت سے منشاء خالق کے مطابق بنا سکیں، بلکہ اس کے لئے ہمیں ایک ایسے علم اور طریق کار کی ضرورت ہے جس پر گامزن رہ کر ہم صحیح زندگی بسر کر سکیں۔

مذہب کی تخلیق انسانی حدود سے بالاتر ہے

اگرچہ اس علم کے حصول کے لئے ہمیں قدرت نے حواس خمسہ عطا فرما دیئے ہیں، اور اسی باعث ہمارا درجہ کل کائنات کے مقابلہ میں ممتاز ہے۔ اور اسی بناء پہ ہم اشرف المخلوقات کہلاتے ہیں۔ تاہم جب اپنی عطا شدہ عقل و دانش پر اپنے خالق کے مقابلہ میں غور کرتے ہیں تو کوئی نسبت ہی نہیں پاتے۔ اسی وجہ سے باوجود انتہائی کوشش فہم و ادراک کے استعمال کے بعد بھی ہم حقیقی مقصد تخلیق خود اور کائنات کو معلوم نہیں کر سکے۔ صرف ہم ہی مجبور نہیں ہیں، بلکہ وہ سینکڑوں فلسفی جنھوں نے اپنی زندگی کو اس غور و فکر کے لئے وقف کر دیا تھا وہ سالہا سال تک اپنا کام جاری رکھنے کے باوجود کسی متفقہ فیصلہ پہ نہیں پہونچ سکے اور ان کی آراء میں اختلاف رہا۔ مثلاً کوئی فلسفی کہتا ہے کہ زمین ساکن ہے تو دوسرا کہتا ہے کہ زمین گردش کر رہی ہے۔ چنیں و چناں۔ غرض یہ کہ موجودہ اور سابقہ دور کے فلسفی عاجز رہ گئے۔ سابقہ دور کے ایک مشہور فلسفی ابن رشد کی یہ قطعی رائے ہے کہ انسان کی عقل ان جملہ مسائل کے حل کرنے سے عاجز ہے۔

اس میں شک نہیں کہ انسان اپنے موجودہ عقل، تمیز، اور علم کے ذریعہ کائنات کی بعض اشیاء کے متعلق معلومات حاصل کر سکتا ہے اور کر رہا ہے۔ لیکن وہ اس کے تکمیل علم پر مہر ثبت نہیں کر سکتا۔ جو لوگ کتاب الٰہی کے علم سے واقف ہیں کہ ان موجودہ آسمان و زمین اور چاند تاروں کے علاوہ ایک دو جہان ایسے ہیں جس کا ہمیں ذرہ یا کل علم نہیں دیا گیا ہے۔ اور وہی مقامات کنٹرولنگ اسٹیشن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی کنٹرولنگ اسٹیشن کے متعلق کتاب الٰہی میں کہا گیا ہے،

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ....

.... فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔

ترجمہ:۔ اے گروہ جن وانس اگر تمہیں قدرت ہو کہ آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ، تو نکل جاؤ اور زور کے سوا تو تم نکل سکنے ہی کے نہیں، تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤگے؟

ان میں سے بعض مقامات ایسے ہیں جہاں اس کی روحانی فوج بستی ہے۔ اور جن میں سے بیشتر اس کی ثناء اور توصیف و تعریف بیان کر رہے ہیں اور بعض ان دفاتر کی جانب سے دنیا کے کاموں پر مامور ہیں جو انسان حتیٰ کہ کل کائنات کے ظاہری، اور باطنی نظام کو منشاء خالق کے مطابق چلا رہے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں ہمارے لئے آسمان سے بارش برستی ہے، ہوائیں چلتی ہیں۔ لیکن کبھی کبھی بارش باوجود ہماری ضرورت اور مانگ کے نہیں ہوتی یا ہوا چلتے چلتے رک جاتی ہے اور ہم سخت مجبور ہو جاتے ہیں۔ یا فضا میں اس درجہ کا شدید سرد یا گرم موسم پیدا ہو جاتا ہے کہ ہمارے لئے ناقابل برداشت

ہو جاتا ہے۔ برفیلے مقامات پر ہمارے جسم سرد ہو کر ناقابل عمل ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات باوجود ہمارے جدید علم سائنس کے اس قابل نہیں رہتے کہ اپنا فعل جاری رکھ سکیں یہاں تک کہ باوجود علم سائنس کے ترقی یافتہ ہو جانے سے ہم مجبور ہو جاتے ہیں کہ قدرت کے اسباب سے متاثر شدہ اعضاء کو اپنے جسم ہی سے ترشوا دیں اگر ہاتھ بے کار ہو تو ہاتھ اور اگر پیر بے کار ہوا ہے تو پیر کو اپنے جسم سے علیحدہ کرانے پر مجبور ہو جاتے ہیں سیکڑوں انسان ایسے موجود ہیں جو پہاڑوں کی آب و ہوا کو برداشت نہیں کر سکے اور انھیں اپنے اعضاء سے ہاتھ دھونا پڑے۔ لہٰذا ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے نامکمل علم کے باعث ہو رہا ہے اور باوجود اس کمی علم کے ہمیں اشرف المخلوقات کا درجہ دیا گیا ہے۔ جس کے دوسرے معنی ہیں کہ ہم کائنات کی جملہ مخلوق پر حاکم ہیں اور کل مخلوقات ہماری مملوک اور زیر اہتمام ہے اور ان کی نگرانی اور ان کے ساتھ انصاف کرنا ہمارا فرض عین ہے۔ اگر انتظام میں کوتاہی ہوئی تو ہم سے باز پرس ہونا لازمی ہے۔ ان حالات میں انسان خود کو عجیب کشمکش میں پاتا ہے کہ ایک جانب تو کل مخلوقات کا انتظام سپرد اور دوسری جانب علم کی کمی۔ لیکن چونکہ حق تعالیٰ اپنی کل مخلوقات سے محبت کرتا ہے اور وہ بے انصاف نہیں ہے کہ کسی محدود علم والے سے یہ توقع کرے کہ وہ اپنے سب کام بحسن و خوبی انجام دے سکے گا۔ اس لئے یہ ضروری سمجھا کہ اسے وہ جملہ ہدایات بھی دیدی جائیں جو اسے بحیثیت اشرف المخلوقات ہونے کے دنیا کے انتظام کے ضروری ہیں۔ اس لئے خالق نے ہماری اس کوتاہی کو دور کرنے کی غرض سے وقتاً فوقتاً اپنے پیغمبروں کے ذریعہ

ایک دستور اور قانون بھیجتا تاکہ ہم اس پر عمل پیرا ہو کر اس کی خلافت کے کام انجام دیتے رہیں اور آخر میں اپنے نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ وہ مکمل دستور بھیج دیا کہ جس کے بعد کسی دوسرے دستور کی ضرورت باقی نہیں اور ہم سے عہد لے لیا کہ اگر تم اس پر گامزن رہے تو بلا خوف و خطر پھر اپنے اسی مقام پر واپس بلا لئے جاؤ گے جہاں تمہارے جد امجد علیحدہ کئے گئے تھے۔ بس اسی دستور کا نام ہم نے طریقہ یا مذہب رکھ لیا ہے۔ ظاہر ہے جو طریقہ خالق کا تجویز کردہ ہو اس میں کیا خامی ہو سکتی ہے۔ اور وہی طریقہ دنیا کے انسانوں کے لئے کافی ہے۔

مکمل دستور حیات بذریعہ آخری نبی

ظاہر ہے کہ اگر انسان جو اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے اس طریقہ خالق کو تسلیم کرلے تو وہ منشاء خالق پورا کر سکتا ہے اور بسہولت دنیاوی کائنات پر حکمرانی کرنے کا خود کو اہل بنا سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم جملہ مذاہب کا جائزہ لیں کہ ان کے دستور کہاں تک منشاء الٰہی کے پورا کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

دین خالق پر غور وفکر

قبل اس کے کہ ہم دوسرے مذاہب کا جائزہ لیں ہمیں سب سے پہلے دین خالق کا جائزہ لینا چاہئے۔ اور اس کے ابتدائی دور پر غور وفکر کرنا چاہئے۔ لہٰذا سنئے کہ

اس سلسلے میں کتاب الہی کیا کہتی ہے۔ اس کتاب کے پہلے باب یا پہلے جزو میں ہمیں چند آیات ملتی ہیں جس کی ابتدا یوں کی گئی ہے۔

"وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○

....

...... هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○ ع

ترجمہ :۔ اور وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ انھوں نے کہا کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت و خون کرنا پھرے اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں (خدا نے فرمایا) میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور اس نے آدم کو سب (چیزوں کے) نام سکھائے۔ پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور فرمایا کہ اگر سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔ انھوں نے کہا تو پاک ہے جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ بیشک تو دانا اور حکمت والا ہے۔ (تب) خدا نے حکم دیا کہ آدم کو: ———— تم ان کو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ جب انھوں نے

ان کو ان کے نام بتائے۔ تو (فرشتوں) سے فرمایا کیوں میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور پوشیدہ کرتے ہو (سب) مجھ کو معلوم ہے۔ اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو، تو وہ سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آکر کافر بن گیا۔ اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (پیو)۔ لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا۔ نہیں تو ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا۔ اور (جس عیش و نشاط) میں تھے اس سے ان کو نکلوا دیا۔ تب ہم نے حکم دیا کہ بہشت بریں سے چلے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک (ٹھکانا) اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے۔ پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس نے ان کا قصور معاف کر دیا۔ بیشک وہ معاف کرنے والا (اور) صاحب رحم ہے۔ ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ، جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا) جنھوں نے میری ہدایت کی پیروی کی انھیں کچھ خوف نہ ہوگا۔ اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ اور جنھوں نے (اس کو) قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ وہ دوزخ میں جانے والے ہیں۔ اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

حکم خالق سے آدم علیہ السلام کی خلاف ورزی

چنانچہ خالق نے سب سے پہلے انسان یعنی آدم کی تخلیق کی اور انھی سے ان کی زوجہ کو بھی بنایا اور وہ دونوں ان کے حکم کے مطابق جنت کے باغات میں رہنے لگے۔ وہاں کی زندگی اور رہائش اس طرح کی نہیں ہے۔ جس طرح ہم دنیا میں رہتے ہیں۔ بلکہ ان کا جسم انسانی ان پر مخفی رہتا تھا۔ ابلیس جس نے انسان کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ابھی اس ماحول جنت سے نکالا نہیں گیا تھا۔ اس کی پیدائش آگ سے کی گئی تھی۔ وہ قوم اجنّا سے تھا۔ اسے آدم کے اس رتبہ سے صدمہ و ملال اور تکلیف پہونچی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ آدم کو ورغلا کر اس جگہ سے ہٹا دے۔ چنانچہ کتاب الٰہی کا ایک مضمون جو سورۂ ~~فاتحہ~~ میں قلمبند ہے۔ اس نے ۲ البقر کہا کہ اے آدم کیا میں تمہیں ایک ایسا درخت بتاؤں جس کا پھل کھانے سے دوامی زندگی تمہیں میسر ہو جائے اور ہمیشہ کی بادشاہت مل جائے، لہٰذا اسی درخت کی جانب اشارہ کر دیا جس کا پھل کھانا تو درکنار، خالق نے آدم علیہ السّلام کو اس کی جانب جانے سے بھی منع کر دیا۔ تھا۔ چنانچہ آدم عَلَیۡہِ الصَّلوٰۃ وَالسَّلَام اور ان کی زوجہ حوّا نے وہ پھل تناول کر لیا۔ جس کے کھاتے ہی ان دونوں سے ان کے وہ اعضا جو ان پر مخفی تھے ان پر ظاہر ہو گئے۔ اور بشری کیفیت ان پر طاری ہو گئی۔ اور جس کی وجہ سے وہ خود کو برہنہ محسوس کرنے لگے اور اس باغ کی

پتیوں سے اپنے جسم کو ڈھکنے لگے۔ خالق نے یہ حالات دیکھ کر ان سے کہا کہ تم اب یہاں نہیں رہ سکتے۔ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہیں۔ اس پر آدم نادم ہوئے اور اپنے رب سے معافی طلب کی جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کا قصور تو معاف فرما دیا۔ لیکن فرمایا کہ تم یہاں رہنے کے قابل نہیں رہے۔ اب تمہارے رہنے کی جگہ وہ دنیا ہے جہاں تمہیں میری جانب سے کچھ ہدایات ملتی رہیں گی۔ اور جس نے میری ہدایات پر عمل کیا تو اسے کچھ خوف اور رنج نہ ہوگا۔ مگر جس نے اس سے روگردانی کی اور ہماری آیات کو جھٹلایا تو وہ لوگ آگ میں داخل کیے جائیں گے۔ اس دنیاوی قیام کے مدنظر اور اشرف المخلوقات ہونے کے باعث خالق نے انہیں ایک علم عطا فرمایا تھا جو فرشتوں کے علم سے بھی زیادہ تھا۔ اور اسی باعث فرشتوں کو اسے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی بعد میں ہدایات بھیجنے کا وعدہ فرمایا اور اس عطیہ علم کے اور ہدایات بھیجنے کے بعد یہ توقع کی کہ انسان خالق کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرتا رہے گا۔ اور اشرف المخلوقات کے اہم فرائض انجام دیتا رہے گا۔ زمانہ قیام دنیا میں اگر اس نے مرضی خالق کے مطابق عمل کیا تو اس کے جسم خاکی کی وہ روح جس نے پہلے نافرمانی کی تھی اب فرمانبرداری کرنے کے باعث اس قابل ہو جائے گی کہ وہ پھر اس لطیف روحانی جنت میں زندگی بسر کرنے کی اہل ہو جائے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اب اپنے ان مذاہب کا جائزہ لیں جن کو ہم تسلیم کیے ہوئے ہیں۔

خالق اور معبود کے درمیان
پہلا عہدنامہ

اور دیکھیں کہ ان میں واقعی وہ ہدایات و طریقہ تکمیل شدہ ملتا ہے، جو ہماری نجات کا باعث ہو سکے۔ اگر ہم نے اس معاملہ میں ایمانداری سے کام کیا اور اپنے اپنے مذہب یا طریقہ کا جائزہ لیا تو انشاء اللہ یقین ہے کہ ہم دین الٰہی کو ان مختلف طریقوں پر ترجیح دیکر قبول کر لیں گے جو ہماری نجات کا باعث ہوگا۔

قبل اس کے کہ ہم علیحدہ علیحدہ مذاہب کے احکامات کا تجزیہ اس خیال سے کریں کہ آیا وہ مقصد خالق کو پورا کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ضروری ہے کہ پہلے دین خالق کی مزید تصریح کر دیں تاکہ اس کی روشنی میں دوسرے مذاہب کا مقابلہ کیا جا سکے۔

احکامات الٰہی کے نفاذ کی ضرورت

آدمؑ اور ان کی زوجہ کے اس دنیا میں مبعوث ہونے کے بعد یہ لازمی تھا کہ ان کے اولاد ہوتی۔ چونکہ کیفیت بشری جنت کا پھل کھانے کے بعد ان میں پیدا ہو چکی تھی۔ چنانچہ اولاد کا سلسلہ شروع ہو کر دنیا کے کام بھی شروع ہو گئے۔ مثلاً رہنے کے لئے مکانات کا بنانا۔ لباس کے لئے کپڑے کا تیار کرنا خورد و نوش کے لئے کھیتی باڑی کا انتظام کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح جاری شدہ نسل کا آپس میں شادی بیاہ، نکاح، طلاق۔ لین دین، معاملات دنیاوی کا پیش آنا، غرض یہ کہ مختلف قسم کے کام شروع ہو گئے۔ ساتھ ہی ساتھ آپس کے تنازعات بھی رونما ہونے لگے۔ آدم کے ایک بیٹے نے دوسرے

کو قتل کر دیا۔

یہاں ضرورت پیش آئی کہ اس سلسلہ میں احکامات الٰہی آئیں اور یہ
مقتول کی لاش کو کس طرح چھپایا جائے۔ چنانچہ خالق کون و مکاں نے مخلوق میں سے
ایک پرند کوّے نامی کے ذریعہ اس کام کی تعلیم دی کہ وہ ایک مردہ کوّے کی لاش کو
اپنی چونچ سے کرید کرید کر دبا رہا تھا۔ چنانچہ قاتل نے یہ دیکھ کر زمین کھود کر مردہ کو دفن
کرنا سیکھا اور اس بات پر افسوس کیا کہ میں اس قدر بھی نہیں جانتا جتنا کہ یہ پر
جانتا ہے، معلوم ہوا تعلیم بغیر امداد الٰہی ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ اسی قتل کے بعد ح
خدا ہوا کہ کسی کا قتل بغیر کسی ارتکاب جرم یا ملک میں شر و فساد برپا کئے بغیر یا بوج
عدم قصاص کسی کا قتل کرنا ایسا ہے جیسا کہ پوری مخلوق کو قتل کیا گیا اور قاتل ک
سزا کا حکم جاری کر دیا گیا۔ قانون سازی کی ابتدا اس طور پر ہونے لگی۔

غرض یہ کہ حق تعالیٰ نے انسان کے قیام دنیا اور اچھی طرح زندگی بسر کر
کے لئے ابتدائے حسب ضرورت پیغمبروں کے ذریعہ سے ہدایات بھیجیں جن پر
ہونے لگا اور اس طریقہ کا نام دین الٰہی پڑا۔

پیغمبران کے نزول کا باعث

آدم علیہ السلام کی وفات کے کچھ عر
کے بعد ہی لوگوں نے ان کے مجسمے بن
عبادت شروع کر دی۔ لہٰذا ضرورت
کہ پیغمبر صحیح ہدایات دے کر مبعوث کئے جائیں۔ چنانچہ یہ سلسلہ شروع ہو گ

اور ہزاروں پیغمبر آتے رہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ کے لحاظ سے رام، کرشن اور گوتم بدھ کا شمار پیغمبروں میں ہو۔ اگرچہ ہمیں کل پیغمبروں کے نام نہیں بتائے گئے بلکہ یوں کہا کہ بعض کے نام تمہیں بتاتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض کے اسماء ہمیں کتاب الٰہی کے ذریعہ نہیں بتائے گئے۔ چونکہ موجودہ زمانہ میں جو دین رائج ہیں ان کے بعض احکامات ایسے ملتے ہیں جن کی تصدیق کتاب الٰہی سے ہو سکتی ہے لیکن ان میں سے کسی مذہب کی کتاب سے مکمل شدہ شریعت کا پتہ نہیں چلتا اور درحقیقت میں یہ مناسب اور ممکن ہی تھا۔ چونکہ کتاب الٰہی کی آیات پر غور و فکر کرتے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کی تکمیل کا کام انسانی ماحول اور اس کی زندگی سے متعلق ہونے والے معاملات کے پیش نظر جاری رہا۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو مذاہب خدائی مذہب ہونے کے دعویدار ہیں وہ کسی مکمل شریعت یعنی قانون الٰہی کو پیش نہ کر سکے۔ اس کے متعلق کافی دلائل اور ثبوت پیش کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن اس رسالہ میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

آدم علیہ السلام کے بعد شیث علیہ السلام، ادریس علیہ السلام آئے جن کا تذکرہ کتاب الٰہی میں متعدد جگہ کیا گیا ہے۔ لیکن جلیل القدر پیغمبر نوح علیہ السلام ہیں۔ جن کا کافی تذکرہ کتاب الٰہی میں ہے۔ آپ کا زمانہ آدم علیہ السلام کے دو ہزار ایک سو پچاس برس بعد کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طویل مدت میں بھی کافی پیغمبر آئے ہونگے، لیکن ہمیں ان میں سے چند ہی کے نام بتائے گئے۔

کو قتل کر دیا۔

یہاں ضرورت پیش آئی کہ اس سلسلہ میں احکامات الٰہی آئیں اور یہ کہ مقتول کی لاش کو کس طرح چھپایا جائے۔ چنانچہ خالق کون و مکاں نے مخلوق میں سے ایک پرندہ کوّے نامی کے ذریعہ اس کام کی تعلیم دی کہ وہ ایک مردہ کوے کی لاش کو اپنی چونچ سے کرید کرید کر دبا رہا تھا۔ چنانچہ قاتل نے یہ دیکھ کر زمین کھود کر مردہ کو دفن کرنا سیکھا اور اس بات پر افسوس کیا کہ میں اس قدر بھی نہیں جانتا جتنا کہ یہ پرند جانتا ہے، معلوم ہوا تعلیم بغیر امداد الٰہی ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ اسی قتل کے بعد حکم خدا ہوا کہ کسی کا قتل بغیر کسی ارتکاب جرم یا ملک میں شر و فساد برپا کئے بغیر یا بوجہ عدم قصاص کسی کا قتل کرنا ایسا ہے جیسا کہ پوری مخلوق کو قتل کیا گیا اور قاتل کی سزا کا حکم جاری کر دیا گیا۔ قانون سازی کی ابتدا اس طور پر ہونے لگی۔

غرض یہ کہ حق تعالیٰ نے انسان کے قیام دنیا اور اچھی طرح زندگی بسر کرنے کے لئے ابتداءً حسب ضرورت پیغمبروں کے ذریعہ سے ہدایات بھیجیں جن پر عمل ہونے لگا اور اس طریقہ کا نام دین الٰہی پڑا۔

پیغمبران کے نزول کا باعث

آدم علیہ السلام کی وفات کے کچھ عرصہ کے بعد ہی لوگوں نے ان کے مجسمے بنا کر عبادت شروع کر دی۔ لہٰذا ضرورت ہوئی کہ پیغمبر صحیح ہدایات دے کر مبعوث کئے جائیں۔ چنانچہ یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔

اور ہزاروں پیغمبر آتے رہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس زمانہ کے لحاظ سے رام، کرشن اور گوتم بدھ کا شمار پیغمبروں میں ہو۔ اگرچہ ہمیں کل پیغمبروں کے نام نہیں بتائے گئے بلکہ یوں کہا کہ بعض کے نام تمہیں بتاتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض کے اسماء ہمیں کتاب الٰہی کے ذریعہ نہیں بتائے گئے۔ چونکہ موجودہ زمانہ میں جو دین رائج ہیں ان کے بعض احکامات ایسے ملتے ہیں جن کی تصدیق کتاب الٰہی سے ہوسکتی ہے لیکن ان میں سے کسی مذہب کی کتاب سے مکمل شدہ شریعت کا پتہ نہیں چلتا اور درحقیقت میں یہ مناسب اور ممکن ہی تھا۔ چونکہ کتاب الٰہی کی آیات پر غور و فکر کرتے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کی تکمیل کا کام انسانی ماحول اور اس کی زندگی سے متعلق ہونے والے معاملات کے پیش نظر جاری رہا۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو مذاہب خدائی مذہب ہونے کے دعویدار ہیں وہ کسی مکمل شریعت یعنی قانون الٰہی کو پیش نہ کرسکے۔ اس کے متعلق کافی دلائل اور ثبوت پیش کئے جاسکتے ہیں۔ لیکن اس رسالہ میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

آدم علیہ السلام کے بعد شیث علیہ السلام، ادریس علیہ السلام آئے جن کا تذکرہ کتاب الٰہی میں متعدد جگہ کیا گیا ہے۔ لیکن جلیل القدر پیغمبر نوح علیہ السلام ہیں۔ جن کا کافی تذکرہ کتاب الٰہی میں ہے۔ آپ کا زمانہ آدم علیہ السلام کے دو ہزار ایک سو پچاس برس بعد کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طویل مدت میں بھی کافی پیغمبر آئے ہونگے، لیکن ہمیں ان میں سے چند ہی کے نام بتائے گئے۔

نوح علیہ السلام کی عمر نو سو پچاس برس کی ہوئی۔ وہ اپنے دور میں لوگوں کو حق کی دعوت دیتے رہے لیکن لوگ نافرمانی کرتے رہے چنانچہ نوح علیہ السلام نے نافرمانوں کے لئے بددعا کی جس کا آخری انجام قوم کی تباہی کا ہوا۔ یہانتک کہ اس قدر بارش ہو کر سیلاب آیا کہ جس سے پہاڑوں پر بھی پناہ نہ مل سکی۔ اس کا علم چونکہ بحیثیت پیغمبر نوح علیہ السلام کو ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے آپ نے ایک کشتی پیشتر ہی بنا رکھی تھی۔ تاکہ حق کی اطاعت کرنے والے محفوظ رہیں۔

چنانچہ جو نبی کے پیرو تھے اس پر سوار کر لئے گئے۔ آپ کے اہل و عیال میں آپ کے صاحبزادہ نے یقین نہیں کیا۔ اور وہ اس پر سوار نہ ہوا۔ نتیجہ میں وہ بھی غرق ہو گیا۔ اس نافرمان اولاد کی نافرمانی اور سرکشی کے باوجود محبت پدری سے مجبور ہو کر حضرت نوح علیہ السلام نے خالق کو ان کا وعدہ یاد دلایا کہ تمہارے اہل و عیال کو بچا لیا جائے گا۔ جس کا جواب ملا کہ —— "اے نوح! وہ لڑکا تمہاری اہل سے نہیں ہے، کیونکہ اس کے کام غیر صالح ہیں۔"

باری تعالیٰ کے اس جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعمال غیر صالح کی بنا پر پیغمبر کا بیٹا بھی اہل پیغمبر میں شمار نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ احکام شرعیہ اور فرامین الٰہیہ کا بطریق اکمل متبع اور پابند نہ ہو۔

پسر نوح با بداں بنشست
خاندان نبوتش گم شد

کتاب الٰہی کا یہ فیصلہ ان لوگوں کے لئے قابل عبرت ہے جن کے آباؤ اجداد کا شمار بزرگان دین میں سے تھا۔ لیکن وہ خود نافرمان ہیں کہ کوئی کام شریعت کے

حکام شریعت کے مطابق انجام نہیں دے رہے ہیں۔ صرف ان کے وارث ن کر فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اور دوسرے لوگ بھی ان کی پیروی کرتے نظر تے ہیں۔

جب کہ کتاب الٰہی کا فیصلہ صاف و صریح انکے بارے میں ہے کہ وہ قابل لعنت و صد ملامت ہیں۔ چنانچہ اس وعید سے حضرت نوح علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کا بیٹا بھی نہ بچ سکا۔ نافرمان قوم غرق آب کر دی گئی۔ صرف وہ نفوس یا چرند و پرند بچے جن کو نوح علیہ السلام نے اپنی کشتی میں سوار کر لیا تھا۔ آپ کو تعجب و حیرت نہ ہونا چاہیئے کہ کتاب الٰہی کے اس فرمان کی بھی تصدیق ہو چکی ہے۔

کشتی نوح کی دریافت

کشتی نوح کے متعلق کچھ معلومات حاصل ہوئی ہیں۔

ماہرین آثار قدیمہ کو کچھ لکڑی پہاڑ کی چوٹی سے ایسی دستیاب ہوئی ہے جس کو ان ماہرین آثار قدیمہ نے بتایا ہے کہ یہ کشتی نوح ؑ کے اجزاء ہیں۔

کشتی نوح کا تذکرہ متعدد سیاح نے کیا ہے۔ بالخصوص ترکی حکومت کا وہ کمیشن جو ۱۸۸۳ء میں بغرض دریافت اسباب طوفان نوح آیا تھا۔ جب وہ اپنی معلومات فراہم کرنے کے لئے بلند چوٹیوں پر پہونچا تو دیکھا کہ ایک جہاز نما کشتی جھیل کے اندر ہے۔ جس کا بیشتر حصہ برف سے ڈھکا ہوا ہے۔ اور اس کی تصدیق ایک مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳ پر کی کہ کشتی نوح اب بھی کوہ آرہ روٹ پر موجود ہے۔ اور جس کا طول و عرض اور عمق ۵۳×۸۷×۵۲۵ فیٹ ہے۔ اسی طرح نوری نامی سیاح نے بھی کشتی کی تصدیق کی۔ یہ تصدیقات کتاب الٰہی کی تصدیق

کر رہی ہیں کہ یہ کتاب واقعی کتاب الٰہی ہے۔

اس موقع پر صاف و صریح الفاظ میں بتانا چاہتا ہوں تاکہ یہ غلط فہمی دور ہو جائے کہ جو بھی پیغمبران دنیا میں آئے وہ کسی خاص دین کے حامل تھے یا جس دین کے نام سے انھوں نے شہرت پائی ہے وہ خود انھیں کا ایجاد کردہ تھا۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جس قدر بھی پیغمبر دنیا میں تشریف لائے سب کے سب مسلم تھے اور زندگی بھر تبلیغ اسلام کرتے رہے۔ چنانچہ نوح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ إِنِّيْ أُمِرْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ

ترجمہ:۔ "میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں مسلم رہوں۔"

اسلام دنیا کا روز اول سے مذہب ہے

لفظ مسلم کے معنی فرمانبرداری کے ہیں۔ چنانچہ آدم علیہ السلام بھی اللہ کے فرمانبردار بن کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔ چونکہ ایک بار دنیا میں مبعوث ہونے سے بیشتر غلطی سرزد ہو چکی تھی۔ اس مرتبہ فرمانبرداری کو خطرہ سے بچانا تھا۔ چنانچہ آپ فرمانبردا یعنی مسلم رہے۔ اور یہ سلسلہ پیغمبر آخر الزماںؐ تک جاری رہا جیسا کہ ہم کتاب الٰہی کے حوالے دے کر ثابت کریں گے کہ جملہ آنے والے پیغمبر مسلم تھے۔ عام طور سے جو یہ خیال کیا جاتا ہے۔ اسلام قائم ہوئے صرف ۱۴۰۰ برس کا عرصہ گزرا ہے یہ نظریہ قطعی غلط ہے۔ بلکہ اسلام اس وقت سے دنیا کا مذہب ہے جب سے انسان کا ظہور اس دنیا میں ہوا یعنی ۷۰۰۰ برس قبل آدم علیہ السلام آئے اور وہ دین اسلام کے قائل تھے۔

نوح علیہ السلام کے بعد کچھ اور بھی نبی مبعوث ہوئے۔ لیکن آپ کے بعد جو جلیل القدر

نبی آئے۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ آپ کی پیدائش اس زمانہ میں ہوئی جبکہ بہت سرکش نمرود بادشاہ کی حکومت تھی۔ یہ خود کو خدا کہلواتا تھا۔ اس زمانہ میں ایک فساد اور ظلم و شر کا دور دورہ تھا۔ چنانچہ جب کبھی بھی ایسا دور دنیا میں اپنی حد کو پہونچا اور کفر کی انتہا ہو گئی تو خالق کون و مکاں نے انبیائے کرام کو مبعوث فرما کر اس دور کو ختم فرما دیا۔

چنانچہ ایسے ہی زمانہ میں حضرت ابراہیم علی التحیۃ والتسلیم کی بعثت ہوئی تاریخی اعتبار سے آپ کی پیدائش کا واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم کی ولادت سے قبل نجومیوں نے نمرود کو یہ خبر دی کہ مستقبل قریب میں تمہارے عہد حکومت میں ایک ایسے لڑکے کی ولادت ظہور میں آنے والی ہے جو تمہارا دشمن ہوگا اور تمہارے اقتدار حکومت کو ختم کر دے گا۔

چنانچہ نمرود نے اس پیش آنے والے خطرہ سے بچنے کے لئے اپنی قلمرو میں یہ حکم نافذ کیا کہ کوئی شخص تین یوم تک اپنی بیویوں سے قربت و مواصلت نہ کرے۔ اور اس پر ہر شخص نہایت سختی سے پابند رہے۔ لیکن اس سلسلے میں انتظام قدرت کچھ اور ہی تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نمرود کے خاص الخاص ملازمین میں سے تھے اور محافظت کے کام پر مامور تھے۔ اس امتناعی حکم کے باوجود انھوں نے اپنی زوجہ سے نمرود کے محل ہی میں ملاقات کی۔ چنانچہ بحکم رب العلمین اسی روز حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی مادر مشفقہ کے بطن مبارک میں تشریف لے آئے۔ اور بعد ولادت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ کی پرورش و حفاظت ہوئی۔ یعنی آپ اس

کر رہی ہیں کہ یہ کتاب واقعی کتاب الٰہی ہے۔

اس موقع پر صاف بصریح الفاظ میں بتانا چاہتا ہوں تاکہ یہ غلط فہمی دور ہو جائے کہ جو بھی پیغمبران دنیا میں آئے وہ کسی خاص دین کے حامل تھے یا جس دین کے نام سے انھوں نے شہرت پائی ہے وہ خود انھیں کا ایجاد کردہ تھا۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جس قدر بھی پیغمبر دنیا میں تشریف لائے سب کے سب مسلم تھے اور زندگی بھر تبلیغ اسلام کرتے رہے۔ چنانچہ نوح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ط

ترجمہ:۔ "میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں مسلم رہوں۔"

لفظ مسلم کے معنی فرمانبرداری کے ہیں۔ چنانچہ آدم علیہ السلام بھی اللہ کے فرمانبردار بن کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔ چونکہ ایک بار دنیا میں مبعوث ہونے سے پیشتر غلطی سرزد ہو چکی تھی۔ اس مرتبہ فرمانبرداری کو خطرہ سے بچانا تھا۔ چنانچہ آپ فرمانبردار یعنی مسلم رہے۔ اور یہ سلسلہ پیغمبر آخر الزماںؐ تک جاری رہا

اسلام دنیا کا روز اول سے مذہب ہے

جیسا کہ ہم کتاب الٰہی کے حوالے دے کر ثابت کریں گے کہ جملہ آنے والے پیغمبر مسلم تھے۔ عام طور سے جو یہ خیال کیا جاتا ہے۔ اسلام قائم ہوئے صرف ۱۴۰۰ برس کا عرصہ گزرا ہے یہ نظریہ قطعی غلط ہے۔ بلکہ اسلام اس وقت سے دنیا کا مذہب ہے جب سے انسان کا ظہور اس دنیا میں ہوا یعنی ۷۰۰۰ برس قبل آدم علیہ السلام آئے اور وہ دین اسلام کے قائل تھے۔

نوح علیہ السلام کے بعد کچھ اور بھی نبی مبعوث ہوئے۔ لیکن آپ کے بعد جو جلیل القدر

نبی آئے۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ آپ کی پیدائش اس زمانہ میں ہوئی جبکہ بہت سرکش نمرود بادشاہ کی حکومت تھی۔ یہ خود کو خدا کہلواتا تھا۔ اس زمانہ میں ایک فساد اور ظلم و شر کا دور دورہ تھا۔ چنانچہ جب کبھی بھی ایسا دور دنیا میں اپنی حد کو پہونچا اور کفر کی انتہا ہو گئی تو خالق کون و مکاں نے انبیائے کرام کو مبعوث فرما کر اس دور کو ختم فرما دیا۔

چنانچہ ایسے ہی زمانہ میں حضرت ابراہیم علی التحیۃ والتسلیم کی بعثت ہوئی تاریخی اعتبار سے آپ کی پیدائش کا واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم کی ولادت سے قبل نجومیوں نے نمرود کو یہ خبر دی کہ مستقبل قریب میں تمہارے عہد حکومت میں ایک ایسے لڑکے کی ولادت ظہور میں آنے والی ہے جو تمہارا دشمن ہوگا اور تمہارے اقتدار حکومت کو ختم کر دے گا۔

چنانچہ نمرود نے اس پیش آنے والے خطرہ سے بچنے کے لئے اپنی قلمرو میں یہ حکم نافذ کیا کہ کوئی شخص تین یوم تک اپنی بیویوں سے قربت و مواصلت نہ کرے۔ اور اس پر ہر شخص نہایت سختی سے پابند رہے۔ لیکن اس سلسلے میں انتظام قدرت کچھ اور ہی تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نمرود کے خاص الخاص ملازمین میں سے تھے اور محافظت کے کام پہ مامور تھے۔ اس امتناعی حکم کے باوجود انھوں نے اپنی زوجہ سے نمرود کے محل ہی میں ملاقات کی۔ چنانچہ بحکم رب العلمین اسی روز حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی مادر مشفقہ کے بطن مبارک میں تشریف لے آئے۔ اور بعد ولادت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ کی پرورش و حفاظت ہوئی۔ یعنی آپ اس

وقت ایک غار میں رکھ کر اسی طرح پرورش کیے گئے جس طرح آپ کے فرزند اسمٰعیل علیہ السلام کو ایک ریگستان میں تنہا رہ کر ان والدہ ماجدہ نے پرورش کی۔ اور سات ہی سال کی عمر میں آپ اپنی والدہ ماجدہ سے اللہ کے وجود کے متعلق سوال و جواب کرنے لگے۔

غرض یہ کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو علم و حکمت سے بچپن ہی سے مالا مال کر کے آپ سے کام لینا شروع کر دیا۔ کون نہیں جانتا کہ آپ آگ میں ڈالے گئے اور اللہ تعالیٰ نے قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا[۱] عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ کہہ کر آگ کو گلزار بنا دیا۔ اور یہ ماجرا اس بادشاہ کے محل کی ایک لونڈی دیکھ رہی تھی۔ وہ بھی اس آگ میں جو کہ گلشن دکھائی پڑتی تھی کود پڑی۔ چنانچہ ملک ہندوستان میں اسی سے ملتی جلتی ایک رسم ملک کے چپہ چپہ پر ہر سال آگ جلانے کی منائی جاتی ہے۔ اور بعض لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس لڑکی کا نام جو ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ کودی تھی ہولی تھا۔ بہر کیف ہمیں یہاں اس کی تصدیق یا تحقیق کرانی نہیں ہے۔ ہمارا مقصد تو یہ ظاہر کرنا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیثیت ایک پیغمبر اسلام کی تھی۔

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ جب بھی دین الٰہی سے انحراف کیا گیا اور اس میں خرابیاں پیدا کی گئیں انبیاء علیہ السلام بھیجے گئے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام آدم علیہ السلام کے ۳۲۹۲ سال کے بعد تشریف لائے اور آپ نے بھی پہلے اسی دین فطرت یعنی دین الٰہی کی تصدیق کی اور اپنی اولاد سے بھی اس کی تصدیق کرائی جو ان سے قبل کے انبیاء یعنی نوح علیہ السلام وغیرہ پیش کر چکے تھے۔

[۱] ترجمہ :- ہم نے حکم دیا اے آگ سرد ہو جا، اور ابراہیم پر موجب سلامتی بن جا۔

چنانچہ چند آیات جواب یہاں پیش کی جا رہی ہیں۔ وہ اس مضمون کے ثبوت میں اس قدر صاف و صریح ہیں کہ اس کے معنی سمجھ لینے کے بعد کسی شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ ابراہیم علیہ السلام مسلم تھے۔ اور یہی دین فطرت ہے اور یہ روز اول سے مخلوق کے لئے تجویز ہوا تھا۔ چنانچہ ہر نبی اسی دین فطرت کی ترویج کرتا رہا۔ نیز ہمارے نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ رسول باصفا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی دین کی تصدیق کی۔ اس لئے یہ سمجھنا شدید غلطی ہے کہ دین اسلام صرف تقریباً ۱۴۰۰ برس سے جاری ہے۔ بلکہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ دین الٰہی یا دین اسلام کی عمر دنیا میں انسان کی عمر یعنی ۷۰۰۰ برس کی ہے تا کہ ان لوگوں کے تاثرات کو دور کیا جائے جو یہ کہتے رہتے ہیں کہ دین اسلام کوئی پرانا دین نہیں ہے یہ تو صرف ۱۴۰۰ برس کا دین ہے حالانکہ ہمارے ان دلائل سے یہ دین ازلی ثابت ہو چکا ہے۔ اب آپ ان آیات کو ملاحظہ فرمائیں۔ جو پہلے پارہ یا پہلے چیپٹر قرآن کی آیت نمبر ۱۳۰ سے شروع ہو کر ۱۳۷ پہ تمام ہو رہا ہے۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ
سَفِهَ نَفْسَهٗ ط . . . .
. . . . لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ
مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

ترجمہ

"اور ملت ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو۔ اور ہم نے ان (ابراہیم علیہ السلام) کو دنیا میں منتخب کیا اور واسی

کی بدولت) وہ آخرت میں بڑے لوگوں میں شمار کیے جاتے ہیں، جبکہ ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ تم اطاعت اختیار کرو، انھوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی رب العٰلمین کی اور اسی کا حکم کر گئے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹوں کو اور اسی طرح یعقوب علیہ السلام بھی میرے بیٹو اللہ تعالیٰ نے اس دین (اسلام) کو تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے۔ سو تم بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا۔ کیا تم خود (اس وقت) موجود تھے جس وقت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا (اور) جس وقت انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم لوگ میرے (مرنیکے) بعد کس چیز کی پرستش کروگے انھوں نے (بالاتفاق) جواب دیا کہ ہم اس کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے بزرگ (حضرت ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق پرستش کرتے آئے ہیں یعنی وہی معبود جو وحدہٗ لاشریک ہے اور ہم اسی کی اطاعت پر قائم رہیں گے۔ یہ (ان بزرگوں کی) ایک جماعت تھی جو گذر چکی، ان کے کام ان کا کیا ہوا آوے گا۔ اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہوگی۔ اور (یہودی و نصرانی) لوگ کہتے ہیں کہ تم لوگ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی ہو جاؤ، تم بھی راہ پر پڑ جاؤ گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہم تو ملت ابراہیم (یعنی اسلام) پر رہیں گے جس میں کجی کا نام نہیں اور ابراہیم علیہ السلام مشرک بھی نہ تھے۔ (مسلمانوں) کہدو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس (حکم) پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا۔ اور اس پر بھی جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام اور اولاد یعقوب کی طرف بھیجا گیا اور (اس حکم و معجزہ) پر بھی جو حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام

گیا اور اس پر بھی جو کچھ اور انبیاء علیہم السلام کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے۔ اس کیفیت سے کہ ہم ان حضرات) میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم تو اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں۔

آنیوالے انبیاء میں سے ہر نبی نے مسلم ہونے کا اقرار کیا

اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ابراہیم کے دین سے سوائے نادان کے کون روگردانی کرسکتا ہے جبکہ اللہ نے ان کو اسلام قبول کرنے کو کہا تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اسلام قبول کرتا ہوں اللہ کے لئے اور ابراہیم و یعقوب علیہم السلام نے اپنے بیٹوں سے وصیت کی۔ کہ خبردار سوائے اسلام کے کسی دوسرے دین پر رہ کر نہ مرنا بلکہ ان سے اقرار کرالیا کہ ہم اللہ ہی کے فرمانبردار یعنی مسلم ہیں۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام جو مصر کے ملک میں فرعون کی حکومت کے زمانہ میں بھیجے گئے تھے۔ اس زمانہ میں نجومیوں کا دور دورہ تھا اور جادوگری کا علم تمام مملکت میں عروج پر تھا۔

اسی لحاظ سے موسیٰ علیہ السلام کو چند معجزے عطا کئے گئے تھے۔ کیونکہ اس قوم نے جادو وغیرہ کو مثل طاقت خداوندی سمجھ رکھا تھا۔ چنانچہ منجملہ اور معجزات کے جو موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے۔ ایک معجزہ یہ بھی دیا گیا تھا کہ جب وہ اپنی لکڑی کو زمین پر ڈالدیتے تھے تو وہ اژدہا بن جاتی تھی۔

چنانچہ جب فرعون کے پاس وہ اور ان کے بھائی (ہارون علیہ السلام) اسلام قبول کرنے کی دعوت دے کر بھیجے گئے تو فرعون نے کہدیا کہ یہ تو ایک جادوگر معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا یوم زینت کے دن جبکہ اس کی قوم کے لوگ ایک میلہ منانے کیلئے جمع ہوتے

تھے، یہ شرط کی کہ اس روز موسیٰ بھی وہاں اپنے معجزات دکھائیں۔ چنانچہ سب سے پہلے فرعون کے جادوگر نے اپنی رسیاں ڈالیں اور وہ سب رسیاں دوسروں کو سانپ دکھائی دینے لگیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تم بھی اپنا عصا ڈال دو اور وہ لکڑی بھی حکم خدا سے اژدہا بن گئی۔ اور اس نے سب رسیوں کے بنے ہوئے سانپوں کو ختم کر دیا۔

اس زمانہ کے جادوگر نے جب اپنے جادو کو ختم ہوتے دیکھا تو فوراً ایک زبان ہو کر پکار اٹھے کہ ہم موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔ ہونا بھی یہی چاہیئے تھا۔ اور انصاف کا بھی یہی تقاضا تھا۔

جمع ہونے کی شرط یہی تھی کہ اگر موسیٰ کامیاب ہوئے تو سب ایمان لے آئیں گے۔ لیکن بدبخت فرعون ایمان نہیں لایا۔ اور اس کے برعکس جملہ جادوگروں سے کہا کہ چونکہ تم بغیر میری اجازت کے موسیٰ کے رب پر ایمان لائے ہو اس واسطے میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ اس قصہ کو بیان کرنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ ہمیں ان الفاظ پر غور کرنا ہے جو جادوگروں نے یہ سمجھنے کے بعد کہے تھے کہ فرعون کے حکم سے ہم قتل کر دیئے جائیں گے۔ جادوگروں نے کہا کہ کیا تم ہمیں محض اس وجہ سے قتل کرو گے کہ ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے اور اس کے بعد جادوگروں نے اپنے رب سے متوجہ ہو کر یہ الفاظ کہے ——

"رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۵"

ترجمہ:۔ "اے رب ہمیں صبر کی توفیق عطا فرما اور ہمیں مسلم یعنی فرمانبردار کر کے موت عطا فرما۔"

اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ موسیٰ اور ان کی ملت یعنی جو خود کو یہودی کہتے ہیں کہ یہ سب جس دین پر تھے وہ اسلام ہی تھا۔

موسیٰؑ کے بعد داؤد علیہ السلام تقریباً چار ہزار چار سو پچیس برس بعد آدم علیہ السلام کے تشریف لائے۔ اور آپ کے بیٹے سلیمان علیہ السلام بھی نبی تھے اور آپ کی یہ خصوصیت تھی کہ خالق نے پہاڑوں پرندوں اور جنات کو آپ کے تابع کر دیا تھا اور پرندوں کی بولی آپ اور سلیمان علیہ السلام سمجھتے تھے اور جنگ سے محفوظ رکھنے کے لئے داؤد علیہ السلام نے ہی زرہ بنائی تھی۔ اور لوہے کو اپنے دست مبارک سے موڑ کر بصورت کڑیاں تبدیل کر دیتے تھے۔ آپ جنات سے تعمیر کا کام لیتے تھے۔

اسی طرح سلیمان علیہ السلام کی یہ خصوصیت تھی کہ خالق نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا تھا۔ آپ ہوا کے ذریعہ مہینوں کا سفر گھنٹوں میں طے کر لیا کرتے تھے۔ آج کی دنیا میں ان کے اس معجزہ سے کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے جبکہ ہوا دنیا کے سفر کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ جنات بھی آپ کے تابع تھے اور پرندوں سے خطوط پہونچانے کا کام لیتے تھے۔

بلقیس جو ملک سبا کی حکمراں تھیں اور ایک مرصع تخت شاہی کی حکمراں تھیں۔ ان کے پاس بھی دعوت نامہ بھیجا کہ الاّ تعلوا وَاتونی مُسْلِمین سرکشی نہ کرو اور میرے پاس مسلمان ہو کر آؤ۔ چنانچہ وہ آئیں اور کہا اِنِّی ظَلَمْتُ نَفْسِی وَ اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ میں سلیمان کے ساتھ اللہ پر ایمان لائی اور اسلام قبول کیا۔ سلیمان علیہ السلام کی

بہت سی خصوصیات تھیں۔

آپ کے پاس بہت سے خاص قسم کے عمدہ گھوڑے سواری کے لئے تھے، آپ ان گھوڑوں کی بطور خاص خود دیکھ بھال فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کی مصروفیت کے باعث نماز کا وقت جاتا رہا۔ آپ نے گھوڑوں کو واپس بلوایا اور ان محبوب گھوڑوں کی گردنیں اور پیر کاٹ ڈالے کہ جن کے باعث وہ عبادت خالق مقررہ وقت پر ادا نہ کر سکے تھے۔

آپ کے زمانہ میں سلسلۂ تعمیرات جاری رہا اس زمانہ میں جو عمارتیں تعمیر ہوئیں جن میں سے بعض کے آثار اس وقت تک بیت المقدس کے قرب وجوار میں محفوظ ہیں اور جن کی دیواروں میں کئی کئی سو من کے طول اور طویل پتھر نصب کئے گئے ہیں، ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اللہ کی مخلوق جنات ہی کے ذریعہ نصب کرایا گیا ہوگا۔

چونکہ اس زمانہ میں کسی تاریخ سے اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ اس طرح کے وزنی پتھروں کو اٹھانے کے لئے کسی طرح کی مشینیں استعمال کی جاتی ہوں۔ جس کے ذریعہ اس قدر وزنی پتھر عمارت میں لگائے گئے ہوں۔ گویا وہ عمارتیں کتاب الٰہی کی تصدیق کر رہی ہیں کتاب الٰہی میں جنات کا بھی ایک باب ہے اور ان کے متعلق معلومات ہیں۔ داؤد علیہ السلام کو جو کتاب دی گئی تھی اس صحیفہ کا نام زبور تھا۔ اور یہ کتاب منجملہ ان کتابوں کے ہے جن پر ایمان لانا بھی مخلوق کا فرض تھا۔ اور یہودی صاحبان اسی پر ایمان رکھتے تھے۔ اس وقت کا یہی اسلام تھا۔

اوپر کے بیان سے صاف ظاہر ہو گیا کہ داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے متبعین سب مسلم تھے، جیسا کہ ملکہ سبا نے کہا کہ میں سلیمان علیہ السلام کے ساتھ اللہ پر ایمان لائی اور اسلام قبول کیا۔

آپ کے بعد بھی بعض انبیاء آئے۔ لیکن عیسیٰ علیہ السلام ان مشہور انبیاء علیہم السلام میں سے ہیں جو تقریباً ۵۰۳۱ برس بعد موسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں تشریف لائے، اور آپ بھی دین اسلام کے پیرو تھے۔ آپ کو بھی معجزات عطا کئے تھے۔ آپ برص کے بیماروں کو شفا دیتے تھے۔ مردوں کو زندہ کر سکتے تھے۔ اور پرندوں کو مٹی وغیرہ سے بنا کر اس میں پھونک مارتے تھے جو اللہ کے حکم سے اڑنے لگتے تھے، اور ان کے علاوہ بھی کچھ معجزات دیئے گئے تھے۔ آپ روح القدس کے عطیہ تھے، آپ کے والد نہ تھے۔ آپ کی والدہ مریم پر فرشتہ نے پھونک دیا تھا۔ اس لئے لوگوں نے آپ کی والدہ محترمہ پر تہمت لگائی۔

حضرت مریم نے بیٹے کی طرف اشارہ کر دیا، لوگوں نے کہا، جو گہوارہ میں ہے اس سے کیوں کر بات کریں۔ اس پر حضرت عیسیٰ بول اٹھے کہ میں عبداللہ ہوں۔ لوگ مطمئن ہو گئے۔ آپ نے پچھلی کتب کی تصدیق کی، خصوصاً توراۃ کی جو موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ اور آپ پر انجیل اتاری گئی اور وہ بھی توراۃ کی تصدیق کرتی ہے۔ چنانچہ آپ کے زمانہ میں بڑے جلیل القدر عالم اور مشائخ گذرے ہیں۔ جن کا تذکرہ کتاب الٰہی میں ہے۔ آپ کے زمانہ کے حواری خصوصیت رکھتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے بذریعہ وحی انھیں احکامات بھیجے۔ ادہ فرمایا۔

ہم نے حواریوں کو وحی بھیجی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔ انھوں نے کہا کہ آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلم یعنی فرمانبردار ہیں۔ گویا ہر نبی کے زمانہ سے ایک سلسلہ چل رہا ہے۔ کہ ان کے متبعین کا ایک گروہ ہے۔ جو حلقہ بگوش اسلام ہونے کا اظہار کرتا ہے اور اپنے مسلم ہونے کے بارے میں تصدیقی الفاظ زبان سے ادا کرتا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے آج تک اسلام کا رشتہ ختم نہیں ہوا۔

کتاب الٰہی میں جن پیغمبروں کے اسماء بتائے گئے ہیں وہ اس کل کا ایک جزو ہیں جو دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ ان میں بعض کے نام بتانے کے بعد ان کی چند عطا شدہ صفات کا ذکر فرما دیا۔ کوئی خاص معلومات ان کے متعلق ہم نہیں پہنچائیں اور بعض کے حالات پر کافی روشنی ڈالی گئی۔

جن انبیاء کے صرف نام اور صفات کا تذکرہ کیا ان کی تعداد بھی کافی ہے۔ مثلاً آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان تقریباً ۲۱۵۰ برس کا زمانہ ہوتا ہے، اس زمانہ میں شیث علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے بعد ابراہیم علیہ السلام کا فی تذکرہ ہے۔ ان کے درمیان میں بھی پیغمبران آئے۔ اسی طرح ہوتا رہا، لہٰذا ہمارے قارئین کم از کم کتاب الٰہی میں جن نبیوں کے نام دیئے گئے ہیں ان سے واقف ہو جائیں تو مناسب ہوگا۔ چنانچہ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ۔ حضرت لوطؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت شعیبؑ۔ حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ

حضرت یونسؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت ذکریاؑ۔ حضرت یحییٰؑ حضرت یوشعؑ۔ حضرت ذوالکفلؑ، حضرت عزیرؑ

ذوالکفل یا مہاتما بدھ

ان میں سے حضرت ذوالکفل کے متعلق جو بذریعہ علامات اظہار ہوتا ہے اسے یہاں قلمبند کر رہا ہوں۔ کفل کے متعلق غور فرمایئے۔

عربی میں حرف "(پ)" مستعمل نہیں ہے۔ اس کی جگہ حرف (ف) مستعمل ہے۔ لہٰذا اس لحاظ سے یہ لفظ اردو میں بجائے "کفل" کے "کپل" بولا جائے گا۔ کپل دستو ہندوستان کی سرزمین میں ایک خاص مقام ہے۔ گوتم بدھ کا تعلق خاص کپل دستو سے تھا۔ یعنی دوسرے الفاظ میں اگر کپل دستو والے کہا جاتا تو بیجا نہ ہوتا۔ جیسا کہ اکثر لوگ مشہور ہو جاتے ہیں۔ دہلوی، بریلوی لکھنوی وغیرہ۔

کتاب الٰہی میں اس نبی کو ذوالکفل کے نام سے پکارا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں کفل والے اور جتنا زمانہ بدھ جی کو گذرا ہے۔ اتنا ہی زمانہ ذوالکفل کو گذرا ہے۔ یعنی عیسیٰؑ علیہ السّلام سے تقریباً چھ سو برس قبل کا زمانہ ہے۔ اس حساب سے بدھ کا سال ۲۵۰۰ ہے۔ لہٰذا بدھ اور حضرت ذوالکفل ایک شخص ہوئے۔

چونکہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ وہ ذوالکفل یعنی کفل والے کہلاتے تھے۔ اور چونکہ عربی قاعدہ کے لحاظ سے کفل اور کپل ایک ہی مقام کا نام ہو سکتا ہے۔ ان کو کفل والے کہتے ہیں۔

بدھ جی کے متبعین بھی کروڑوں کی تعداد میں ہیں اور ایسی بات کا دین الٰہی کے پیش کرنے والے پیغمبروں کے دوسرے متبعین کی تعداد سے پتہ چلتا ہے کہ حق بات تسلیم کرنے والے کچھ بدنصیب لوگوں کو چھوڑ کر تقریباً کل کے کل ہو جاتے ہیں۔ اور جو اس دین کو قبول نہیں کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو جاتے تھے۔ مگر آج اس دین کے متبعین کا حال بھی تقریباً بگڑ چکا ہے۔ جس میں گروہ در گروہ مختلف الخیال مذہب کے پیرو ہو گئے تھے۔ جیسا کہ دوسرے ماقبل انبیاء کے زمانہ کے بعد ان کے متبعین کا ہوا ہے کہ غیر ضروری باتیں انھوں نے دین میں شامل کر لی تھیں اور اسی کو دین سمجھنے لگے تھے۔ اور اصل دین کو باقی نہیں رکھا۔ جس کے باعث دوسرے انبیاء بھیجے گئے۔ اور ہر ایک نبی سے یہ وعدہ لیا گیا تھا کہ اگر ان کے زمانہ میں یا ان کے بعد کوئی دوسرا نبی بھیج دیا جائے تو اس وقت کے موجودہ نبی کا فرض ہے کہ اس کی پیروی کرے، نیز انبیاء کے پیروؤں کا بھی یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ بھی اپنے زمانہ کے نبی یا اس کی امت کا اتباع کریں۔

چونکہ حسب وعدہ اور عہد ان کے نبی نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ وہ نیا نبی آنے پر اس کی امت کے پیرو ہو جائینگے۔ اس لئے اس نبی کے ماننے والے کا بھی فرض ہو جاتا ہے کہ اپنے نبی کے وعدہ کو حق بجانب سمجھ کر اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس نبی کے دین کو قبول کر لے۔ جو اس کے نبی کے آنے کے بعد دوسرے انبیاء نے پیش کیا ہے۔ لہٰذا اس وقت کے بدھ جی کے متبعین کو حضرت عیسیٰؑ کے لائے مذہب کو قبول کر لینا چاہیئے تھا اور وہی اس وقت کا اسلام تھا۔

حضرت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ۵۷۰ چھ سو ستر برس بعد اللہ کے رسول نبی آخر الزماں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے

اور فرمایا اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

ترجمہ: میں حکم دیا گیا ہوں کہ عبادت کروں اس گھر کے مالک کی۔ اسی کے لئے ہر شے ہے، اور حکم دیا گیا ہوں کہ میں مسلم ہو جاؤں۔

اور امت کے لئے حکم ہوا کہ

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ . . . . وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔

اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ۔

کہہ دو کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور جو ہم پر اترا اور جو ابراہیم اسمٰعیل۔ اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر و موسیٰ و عیسیٰ اور دوسرے انبیاء پر اور ہم ان نبیوں میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے اور ہم سب ان کے فرمانبردار اور مسلم ہیں۔

چنانچہ سورہ الحج کی آخری آیات بھی اسی مضمون کی ملتی ہیں۔ ملاحظہ

فرمائیں۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ط هُوَ اجْتَبٰكُمْ
وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ط مِلَّةَ
اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ ط هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ
مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا
عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ صلے ج
فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا
بِاللّٰهِ ط هُوَ مَوْلٰكُمْ ج فَنِعْمَ الْمَوْلٰى
وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝

ترجمہ:-

اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے۔ اس نے تم کو (اور امتوں سے) ممتاز فرمایا۔ اور اس نے تم پر دین کے (احکام) میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی۔ تم اپنے باپ (ابراہیم) کی (اس) ملت پر (ہمیشہ) قائم رہو۔ اس (اللہ) نے تمہارا لقب مسلمان رکھا ہے۔ (نزول قرآن سے) پہلے بھی اور اس (قرآن میں) بھی۔ تاکہ تمہارے (قابل شہادت اور معتبر ہونے کے) رسول صلے اللہ علیہ وسلم گواہ ہوں اور اس (شہادت رسول کے قبل) تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ (تجویز) ہو۔ سو تم لوگ (خصوصیت کے ساتھ) نماز کی پابندی رکھو۔ اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ اور اللہ ہی کو مضبوط

پکڑے رہو۔ وہ تمہارا کارساز ہے (کسی کی مخالفت تم کو حقیقۃً ضرر نہ کرے گی) سو کیا اچھا کارساز ہے اور کیا اچھا مددگار ہے۔

یہاں پر اظہار کر دیا ہے کہ پہلے بھی تمہارا نام مسلم تھا اور آج بھی مسلم ہی کہلاتے ہو۔

نبی آخر الزماں کے بعد دوسرے آنے والے انبیاء کا دروازہ کیوں بند کر دیا گیا

اب قابل غور امر یہ کہ پیغمبر آخر الزماں کا لقب عطا فرما کر دوسرے انبیاء کی آمد کو کیوں ضروری نہیں سمجھا گیا اور مزید انبیاء کی آمد کو بند فرما دیا گیا۔ اس کا جواب انشاء اللہ حسب ذیل آیۃ کریمہ سے مل جائے گا، اور اطمینان ہو جائے گا کہ نبی آخر الزماں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کے بعد جس حصول مقصد کی خاطر نبی بھیجے جاتے ہیں وہ پوری ہو گئی اور ضرورت باقی نہیں رہی۔ آیت ملاحظہ ہو۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ
نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۵

معنی یہ ہیں کہ ——

"آج سے تمہارے لئے دین کی تکمیل کر دی اور اپنی نعمت کی بھی تکمیل کر دی اور اس تکمیل شدہ دین اسلام سے میں راضی ہو گیا۔ یعنی اب تک جو مختلف انبیاء کی معرفت دین الٰہی دنیا والوں کے لئے پہنچا دیا تھا اور جو تمہارے حسب حال تجویز کیا گیا تھا اب اس کی تکمیل کر دی

گئی۔

ایک اور اقرار انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا تھا کہ ملاحظہ ہو، رکوع ۹ سورہ آل عمران۔ انبیاء علیہم السلام سے اقرار

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ .... فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

ترجمہ۔

اور جبکہ اللہ تعالیٰ نے عہد لیا حضرات انبیاء علیہم السلام سے کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور علم شریعت دوں پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آوے جو مصداق اس کا اس علامتیں جو تمہارے پاس ہے۔ تو تم ضرور اس رسول پہ ایمان و اعتقاد بھی لانا اور اس کی طرفداری بھی کرنا، پھر یہ عہد بیان کر کے فرمایا کہ آیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا عہد اور حکم قبول کیا۔ وہ بولے ہم نے اقرار کیا۔ ارشاد فرمایا تو گواہ رہنا اور میں بھی اس پہ تمہاری ساتھ گواہوں میں سے ہوں ف۳۔ سو جو شخص روگردانی کرے گا اس عہد سے بعد اس کے، تو ایسے ہی لوگ بے حکمی کرنیوالے یعنی کافر ہیں۔ کیا پھر اس دین خداوندی کے سوا اور کسی طریقہ کو چاہتے

ہیں حالانکہ حق تعالیٰ کے سامنے سب سرافگندہ ہیں۔ جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں، بعضے خوشی سے اور بعضے بے اختیاری سے اور سب خدا ہی کی طرف لوٹائے جاوینگے۔

اس سے پہلے کہ میں اس سے قبل کی پیش کردہ آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ کے متعلق تشریح کروں آیت زیر بحث کے متعلق یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے اقرار کے کیا معنی ہیں جبکہ ایک نبی کا دوسرے نبی کی موجودگی میں بھیجنا ضروری اور لازمی نہیں تھا، یہ ضرور ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام بعض کی موجودگی میں آئے تھے۔ ایک دوسرے کا زمانہ دیکھا اور ان کی اتباع کی ہے۔ مثلاً لوط علیہ السلام ممکن ہے کہ اکثریت ایسی نہ ہو۔ لیکن اس کا مقصد یہ ہے کہ ان نبیوں کی امت سے بھی اقرار لیا گیا ہوگا جو نبی آخر الزماں کے پیشتر آئے اور جن کی امت بعد میں اپنے اپنے نبیوں کے بتائے ہوئے طریقے پر چل رہی ہے اور آج بھی ان ہی کے نام سے خود کو موسوم کر رکھا ہے، یعنی بعض موسوی بعض عیسوی وغیرہ وغیرہ۔ یہ نکتہ بالکل واضح ہے، چونکہ ہر نبی کی امت اپنے نبی کے جملہ فرمان کو تسلیم کر کے ہی اس کے امتی ہونے کا دعویدار ہو سکتی ہے۔ اور فرمان کے ساتھ ان کا وہ اقرار بھی قابل تسلیم ہونا چاہیئے۔ جو انھوں نے حق تعالےٰ سے کیا اور جس کے جواب میں انبیاء علیہم السلام نے کہا اَقْرَرْنَا یعنی ہم نے اقرار کیا۔ اگر میں کسی نبی کی امت میں ہوں تو مجھے لازمی طور سے ان سب امور کو تسلیم کرنا پڑے گا جس کا میرا نبی اقرار کر چکا ہے۔ یعنی جبکہ ایک نبی اپنے مابعد آنے والے نبی کے احکامات کو تسلیم

کرنے کا وعدہ کر چکا ہے۔ ایسی حالت میں ہر نبی کے امت کے لوگوں کو اپنے نبی کے اس اقرار کے بعد خود اپنے زمانے کے آئے ہوئے نبی کا اقرار نہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا اگر وہ واقعی اپنے باپ دادا کے زمانہ کے نبیوں کے صحیح اتباع احکامات کا اقرار کرنے والے ہیں تو لازمی طور پر وہ مجبور ہیں کہ وہ نبی آخر الزماں کے لائے ہوئے مذہب کو بخوشی تسلیم کر لیں۔

منشاء الٰہی یہی تھا کہ دنیا کے کل لوگوں کا مذہب ایک ہونا چاہیے یعنی اسی دین الٰہی کا جس کا ہر نبی نے، ہماری پیش کردہ آیات کے مطابق، مسلم ہونے کا اقرار کر رکھا ہے۔

اب اسی دین الٰہی کی تکمیل نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کی جاتی ہے۔ اب ماسبق کی پیش کردہ آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کے معنی اور مطلب پر غور فرمائیں کہ کیوں اب کسی دوسرے نبی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ آج میں نے اپنی نعمت، جو دین کی شکل میں تمہیں عطا کی ہے۔ اس کی تکمیل کر دی اور اس سے راضی ہو گیا کہ تم میرے فرمانبردار بن کر رہو۔ اور یہی لغوی معنی لفظ مسلم کے ہیں (فرمانبردار ہونا)۔

اللہ تعالٰے نے آدم علیہ السلام کو بھی دنیا میں بھیجتے وقت یہ وعدہ کیا تھا کہ تم دنیا کی زندگی میں میرے بھیجے ہوئے احکامات کی پابندی کرتے رہے تو پھر تم اسی جگہ واپس آجائیگے جس جگہ سے نافرمانی کے باعث علاحدہ کئے گئے تھے۔

چنانچہ ضروری ہوا کہ وہ جملہ احکامات جو حق تعالٰے کی جانب سے اس کے

بندوں پر بھیجے جائیں۔ وہ اس کی دنیاوی زندگی صحیح گزارنے کی غرض سے اس قابل ہوں کہ ان کو تسلیم کرنے اور عمل کرنیکے بعد انسان کی زندگی پرسکون گزر سکے۔ یہ زندگی کسی کو محض تنہا رہ کر نہیں گزارنی ہے بلکہ دوسرے انسانوں کے ساتھ رہ کر ایک خاص ماحول میں رہ کر گزارنا ہے۔ اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ ایک دوسرے کی حق تلفی نہ ہو سکے۔

چنانچہ انسان کو اپنی دنیاوی زندگی میں مختلف حالات سے گزرنا تھا۔ مثلاً معاشی، اخلاقی، معاشرتی، تعلیمی، حقوق العباد، اصلاحی نیز سیاسی وغیرہ لہٰذا تکمیل شدہ شریعت اسلامیہ کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ انسان سے متعلق ہر شعبہ کی ضروریات کا علاج اور طریقہ کار پیش کرتا ہے۔ جو عین منشاء الٰہی ہے۔ چنانچہ غور فرمایئے۔ اس غرض کو پورا کرنے کے لیے سب سے پہلے خالق نے اپنی ذات اور صفات کے متعلق کچھ آیات میں بتایا۔ جو قرآن کریم کی پہلی سورۃ الحمد میں واضح کیا گیا ہے۔

اسی طرح دوسری آیت، جو آیۃ الکرسی کے نام سے موسوم ہوئی ہے۔ اسی طرح اپنے حلم اور عفو مغفرت کے متعلق چند آیات میں ذکر کیا پھر اپنے رب ہونے اور رزق دینے کے افعال کو ظاہر فرمایا، نیز خالق کل ہونے کے علم سے آگاہ کیا۔ اور قادر مطلق یعنی قدرت رکھنے کے متعلق بھی بتایا۔ اور پھر بتایا کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور اس کے دلائل دیئے کہ وہی ایک واحد ہستی ہے جو ان صفات کی بدرجہ اتم مالک ہے۔

اس مالک نے اپنے بندوں پر احسانات کرتے ہوئے شریعت کی تعلیم انسان کے لیے دنیاوی زندگی کے لیے بتدریج انبیاء کی معرفت بھیجی، جس کی تکمیل قرآن کے ذریعہ ہوئی۔

دین الٰہی کی تکمیل

خالق نے اپنے اندازہ کے مطابق تقریباً چودہ سو برس قبل یہ ضروری سمجھا کہ شریعت کی تکمیل کردی جائے اور چونکہ اسی مقصد کے لئے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا آخری پیغام بندوں تک پہونچانا تھا۔ لہٰذا سب سے پہلے یہ مناسب سمجھا کہ خود حضور کے خلق، حیا، توکل، انکسار، دیانت اور امین ہونے کے متعلق آیات سنائیں تاکہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ ان صفات کا شخص غلط چیز نہیں پیش کرسکتا۔ چنانچہ خود آنحضرتؐ کو بھی تعلیم دی کہ وہ لوگوں سے بے غرض رہتے ہوئے مناسب طریقہ سے ان کی تربیت اور دینی تعلیم دیں۔ لہٰذا اس سلسلہ میں سابق اہل کتاب کے متعلق کچھ حالات بتلائے اور مخالفین کے عقائد باطلہ اور بری خصلتوں کا تذکرہ کیا اور حضور کے نبی ہونے کے دلائل پیش فرمائے۔ اور اس سلسلہ میں کتب سابقہ کی پیشین گوئیاں نیز حضور کے ساتھ کام کرنے والوں یعنی صحابۂ کرام کا تذکرہ بھی اپنے الفاظ میں کیا اور ان کی دینداری اور ثابت قدمی کو بطور نمونہ پیش فرمایا۔ غرض یہ کہ شریعت کی پوری تفصیل کو یہاں پیش کرنا محال ہے۔ اصل مقصد کے تحت کچھ اشارات مزید کئے جاتے ہیں مثلاً نماز، طہارت، زکوٰۃ، صدقات۔ نذر نیاز، کھانے پینے کے متعلق حلال وحرام کے امتیاز کے احکامات جاری کئے۔ اس کے بعد باہمی معاملات کے متعلق رخ کیا۔ نکاح وطلاق، عدت۔ مہر ونفقہ، میراث۔ وصیت، قسم کھانا اور کفارہ ادا کرنا۔ بعض احکامات مثلاً حقوق العباد کا تذکرہ کیا جو ایک انسان کے دوسرے انسان پر ہیں۔ مثلاً اولاد کی پرورش اور ان کو قتل نہ کرنا، چوری،

شراب خوری، جوا، زناکاری، چغلی، اعمال، نیک و بد کا امتیاز، دوسروں کا مال غصب کرنا، رشوت ستانی، غرضیکہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق احکامات جاری کیے، سیاست، جہاد، اطاعت امیر اور عام دعوت حق کی تاکید، غیر مسلموں کے ساتھ ربط و اتحاد کا طریقہ بھی بتایا۔ جو انسانی برادری کی تشکیل کے لئے نہایت ضروری چیز ہے۔ خصوصاً زیادہ زور حقوق العباد پر یعنی انسانوں کے ایک دوسرے پر کیا حقوق ہیں مثلاً حقوق زوجین والدین، ذوی القربیٰ، پڑوسیوں اور عورتوں اور غلاموں کے حقوق سے آگاہ کیا، آداب مجلس سکھائے اور کفار یعنی منکرین خدا کے ساتھ نرمی اور حکمت سے نصیحت کرنے کا طریقہ اور اس سلسلہ میں دوسرے پیغمبروں کے طریقے کے تذکرے بیان کرکے ان کے کارناموں سے نصیحت حاصل کرنا اور نافرمانی کی شکل میں دوزخ آخری ٹھکانا اور اس کے ناگفتہ بہ حالات کا نقشہ کھینچا گیا۔ اور اس طرح مومنین اور حکم برداروں کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امن اور چین کی زندگی اور اس گھر کا وعدہ جو اللہ تعالےٰ نے ہمارے جدامجد یعنی آدم علیہ السلام سے کیا تھا کہ اگر میرے احکامات کی پیروی کروگے تو پھر تمھیں اس جگہ کہ جہاں سے ہٹایا گیا تھا یعنی جنت میں داخل کیے جائیں گے وہاں کی بقیہ زندگی ابدی ہوگی۔

ان سطور میں اس تعلیم کی طرف محض اشارات ہیں جو قرآن کریم کی معرفت اپنے بندوں پر دی گئی ہے۔ یہ بنا بنایا دستور جو ہمیں ملا ہے ایک عظیم الشان دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اس میں انسان سے متعلق

کوئی چیز بحیثیت مشورہ یا احکام جو منشاء الٰہی ہیں اور جو انسان کے لئے ضروری سمجھی گئی، چھوڑی نہیں گئی بلکہ مکمل حیثیت سے ان سب کا تذکرہ اس کتاب میں کر دیا گیا ہے۔

اتباع قانون الٰہی دنیاوی بداعمالیوں کے دور کرنیکا ذریعہ

اس سنہرے خداوندی تحفہ کے ملنے کے بعد کہ جس میں ہماری زندگی کے ہر شعبہ کے لئے ہدایات موجود ہیں، اس سے زیادہ احسان خداوند کریم کا ہمارے اوپر اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس دنیا میں کسی مذہب کے دعویدار نے اس قدر تفصیل کے ساتھ انسانی زندگی کے لئے کوئی دوسرا قانون پیش نہیں کیا۔ لہٰذا مکمل قانون پر نہ چلنے کے باعث جو ملکوں میں قتل اور غارت گری اور بداعمالیاں دنیا میں رونما ہیں اور جس کے باعث ایک دوسرے سے صرف تنفر ہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کی جان کا دشمن بنا ہوا ہے۔ کاش کہ لوگ اس کا مطالعہ اس نظریہ سے کریں کہ دنیا کے انسانوں کو صحیح زندگی گزارنے کی توفیق عطا ہوگی اور دنیا میں امن اور چین قائم ہو کر اطمینان کی زندگی بسر ہو جائیگی

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم پیش فرما کر انسان کو چیلنج دیدیا کہ اگر اس سے بہتر تم کوئی دوسرا قانون لا سکتے ہو تو لاؤ اور اگر نہیں لا سکتے تو پھر اس دوزخ سے ڈرو جو منکرین کے لئے بنائی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ قانون سب سے برتر کیوں کر نہ ہوتا جس میں ایسی مکمل تعلیم جس کا مختصر خاکہ یہاں سطور بالا میں پیش کیا گیا ہے۔ موجود ہے۔ قبل اس کے کہ اس سلسلہ میں جو اصل مضمون پیش

کرنا ہے تحریر کروں، اس شبہ کو دور کرنا چاہتا ہوں کہ جو واقعی پیدا ہو سکتا ہے کہ دنیا میں چند ایسے ملک ہیں جہاں میں مذہب کے ماننے والے موجود ہیں لیکن ان کے ملک بھی خرابی سے خالی نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ مذہب کسی قوم یا فرد کا اجارہ نہیں ہے بلکہ دنیا کی کل مخلوق کے لئے عطیۂ خالق ہے، جو بھی اسے قبول کرکے اس پر عمل کرے وہی دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس کا شمار بھی دین خالق کے قبول کرنے والوں میں سے ہے۔ محض اس مذہب کے نام سے اپنا رسمی تعلق پیدا کر لینے یا اس کے نام پر اپنا نام رکھ لینے سے وہ اپنے خالق کے نزدیک اپنا شمار اس مذہب کی فہرست میں نہیں کرا سکتا۔ اس رسمی قبولیت مذہب سے کیونکر ممکن ہے کہ اس مذہب یا طریقہ کے اختیار کرنے سے جو فوائد مرتب ہوتے ہیں ان سے بھی وہ فائدہ اٹھا سکے اس کے لئے تو عمل پہلی شرط ہے۔

مذہب الٰہی کسی خاص طبقہ کا اجارہ نہیں

آپ اب ان ممالک کے بنیادی دستور پر ایک نظر ڈالیں جن کی بیشتر آبادی کا جزو مسلم ہیں اور محض اس وجہ سے ان کا شمار مسلم ممالک میں کیا جاتا ہے۔ ان میں سے سوائے سعودی عرب کے جہاں تک ہمارے علم میں ہے اور کوئی دوسرا ملک یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے ملک کا آئین اسلامی قانون کی بنیادوں پر ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ بھی غیر اسلامی برآمد ہوگا اور وہ نتائج مرتب نہ ہو سکیں گے جن کا دعویٰ اسلام کرتا ہے۔ دوسرے مذاہب کے حضرات یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ ہم اسلام کیوں قبول

کریں جبکہ ہمیں اسلامی ممالک کے افراد میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔ چونکہ ان کی قومی، سیاسی، و معاشرتی زندگی قابل تعریف نہیں بلکہ اخلاقی حیثیت سے ہم سے بھی پست ہے۔

ان حالات میں ایک غیر مذہبی انسان اگر ان ممالک کے مسلمانوں کا نمونہ دیکھ کر اسلام کی جانب رغبت نہ کرے تو حق بجانب ہوگا۔ بلکہ ہمیں یہ بات تسلیم کرنا ہوگی کہ ہم اپنے غیر شرعی طریقہ کے اختیار کرنے کے باعث اسلام کے دشمن بنے ہوئے ہیں کہ ہم نے صرف نام تو اسلامی رکھ لیا ہے لیکن ہمارا عمل اور کردار اس قابل نہیں کہ جس سے اسلام کا نمونہ پیش کر سکیں۔

اب آپ سعودی عرب کے مسلم ہونے کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ جو اسلامی دستور پر چلنے کا دعویٰ کرتا ہے وہ بھی اس قابل ہے کہ اپنے اسلامی نمونہ کو پیش کر کے دوسروں کو اسلام کی دعوت دے سکے۔ اس دعویٰ کے جانچنے سے پیشتر آپ کو یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جن ممالک میں اسلامی قانون کا نفاذ ہے وہ بھی سو فی صدی نمونہ اسلام کا پیش نہیں کر سکیں گے۔ اور نہ یہ ممکن ہے۔ چونکہ اس کا باعث سوسائٹی کے وہ افراد ہیں کہ جن میں خالق نے دو چیزیں پیدا کی ہیں۔ ایک فجور اور دوسرا تقویٰ۔ یعنی بدکاری اور نیکی۔ نیکی اور بدی کرنے کی سمجھ عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا جو اسے پاک رکھے گا وہی مراد کو پہونچے گا۔ اور جس نے اسے خاک میں ملا دیا یعنی نیکی کرنے کی پرواہ نہ کی وہ خراب ہو جائے گا۔ چنانچہ خالق نے اس کو عقل و تمیز عطا کرنے کے بعد ایک انعام اور بھی دیا اور وہ دستور ہے جسے اس کے پیغمبر لائے اور وہ

خالق کا عطا کردہ دستور ہے۔ مثال کے طور پر سعودی عرب نے جو دستور اختیار کر رکھا ہے اور اس کی بنیادوں پر اپنے ملک کی حکومت کا قانون بنایا ہے۔ ظاہر ہے نتیجہ بھی ان شاء اللہ خاطر خواہ برآمد ہوگا۔ اگرچہ یہ دعویٰ وہ بھی نہیں کر سکتا۔ جیسا ہم عرض کر چکے ہیں کہ سو فی صدی لوگ درست ہو جائیں گے۔ چونکہ اس کا دارومدار لوگوں کے حق قبول کر لینے پر ہے۔ ایک ملک کی حکومت تو ایسے اسباب ہی نہیں پیدا کر دیتی ہے جس سے لوگ طریقہ حق کو قبول کریں۔ جن ممالک کی حکومتیں دستور خالق ہی کو اپنا دستور بناتی ہیں ان کا نتیجہ بھی بہتر برآمد ہوتا ہے۔

سعودی عرب اسلامی دستورِ حیات کی تجربہ گاہ

چنانچہ سعودی عرب، جہاں اسلامی قانون کا نفاذ ہے؛ وہاں کے حالات جن حضرات نے دیکھے ہیں وہ یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی دستور کے نفاذ کے باعث لوگوں کے اخلاق درست ہو گئے ہیں اور حکومت بہت سی ان پریشانیوں سے بچ گئی جس کو دنیاوی قانون کے نفاذ کے باوجود بعض ممالک نہ بچا سکے۔

اس موقعہ پر اگر ایک دو مثالیں سعودی عرب کی پیش کر دی جائیں تو معاملہ صاف ہو جائے۔ چنانچہ غور فرمایئے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں لاکھوں انسان حج کے لئے غیر ممالک سے آتے ہیں اور وہ اپنے اپنے ممالک سے مختلف قسم کے سکے لے کر آتے ہیں جس کے تبادلہ کی انھیں ضرورت پڑتی ہے۔ اس تبادلہ کے لئے ان شہروں میں بینک کا کاروبار بعض تجار کرنے لگے ہیں۔ وہ ایک مختصر

دکان بلکہ ان میں سے بعض صرف ایک بکس ہی رکھ کر بعض مقامات پر بیٹھ جاتے ہیں۔ ان کے بکس میں اشرفیاں، چاندی کے روپئے، کاغذ کے نوٹ، ہزاروں کی تعداد میں ہوتے ہیں اور تبادلہ کا کام کرتے رہتے ہیں۔ اگر وہ اپنے کسی کام سے کہیں جانا چاہتے ہیں یا اگر دوران کاروبار کسی مسجد سے اذان کی آواز سنتے ہیں تو یہ اپنا بکس بند کر کے اپنے نجی کام یا نماز ادا کرنے کے لئے مسجد چلے جاتے ہیں۔ وہ بکس وہیں مقفل چھوڑ جاتے ہیں۔ اور نماز سے فارغ ہو کر دوبارہ کاروبار وہیں شروع کر دیتے ہیں۔ ان کا سرمایہ کل کا کل جوں کا توں رہتا ہے۔ کوئی صاحب جرأت یہ نہیں کرتے کہ اسے لے کر فرار ہو جائیں۔ چونکہ اس ملک میں چور کی سزا اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنا ہے۔ بظاہر یہ سزا سخت معلوم ہوتی ہے، لیکن اگر آپ غور فرمائیں گے تو چوری کی واردات کرنیوالے خود اس قدر ظالم ہوتے ہیں کہ اگر انھیں واردات کرتے وقت کوئی مقابلہ کرنا پڑے۔ تو وہ مالک کو بری طرح زخمی کر دیتے ہیں۔ اور اس کی جان تک لے لیتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اگر چور کا ہاتھ کاٹ ڈالنے کی سزا دی جاتی ہے تو کون سا ظلم ہے اور یقین جانئے اس کے باعث اس ملک میں چوری کی وبا اس طرح نہیں ہے جیسی دوسرے ممالک میں ہے۔ اور یہ یقین کیجئے کہ اس ملک میں ہاتھ کٹے انسان تلاش کرنے پر بھی غالباً نہ ملیں گے۔ محض اس کے خوف سے چوری بند ہو گئی۔ کیا اس طرح کی نظیر کوئی دوسرا ملک پیش کر سکتا ہے۔ کہ اس قدر کثیر خزانہ بغیر چوکیدار کے ایک مالک چھوڑ کر چلا جائے اور چور اسے غائب نہ کرے۔ اگرچہ وہاں چور کے ہاتھ کاٹ دینے کا دستور نافذ ہے۔ لیکن میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ان شہروں میں ایک بھی ہاتھ کٹا انسان عربوں کے مجمع میں بھی نہیں پایا۔ لیکن اس

حکم کی وجہ سے لوگ چوری نہیں کرتے اور خائف رہتے ہیں کہ کہیں ہاتھ نہ کٹ جائے۔ اگرچہ بعض غیر ممالک کے لوگ وہاں پہنچ کر اپنے کرتب دکھاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ بھی ہاتھ آجائیں تو انھیں بھی یہ سزا بھگتنی پڑے گی۔

میں دعویٰ نہیں کرتا کہ وہاں چوری بالکل نہیں ہوتی۔ لیکن یہ دعویٰ ضرور کہ سکتا ہوں کہ ہمارے ملک کا یا کسی دوسرے ملک کا جہاں اسلامی قانون جاری نہیں ہے۔ چوری کے جرم کی تعداد کا کوئی موازنہ ہی نہیں ہے۔ یہاں کی عدالتوں میں اگر دیکھیں تو ہزاروں مقدمات روزانہ چوری اور دوسرے جرائم کے ہوتے ہیں لیکن وہاں اس قدر نہیں ہوتے۔ اسی طرح سے لوگوں کے اخلاق اور عادات پر اس درجہ مذہب کا اثر پڑا ہے کہ وہ دھوکہ دینا نہیں جانتے، کم تولنا نہیں جانتے، جبکہ ہمارے ملک کے تاجر لاکھوں روپے کم تول کر ہی پیدا کر لیتے ہیں۔

اسی طرح ہزاروں خرابیاں جو اخلاق کی خرابی کے باعث ان ملکوں میں ہیں وہاں کی عدالتیں ان مقدمات سے پاک ہیں چونکہ دین الٰہی کا قانون نافذ ہے اس میں معمولی جیل خانے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ صرف ایک مختصر سی پولیس ٹریفک کے انتظام کرنے اور معمولی گرفت کے لئے موجود رہتی ہے۔ وہاں بڑے بڑے جیل خانے بھی نہیں ہیں۔ جب قیدی نہیں تو جیل خانے کیوں بنائے جائیں۔ پولیس کا بجٹ مختصر ہوتا ہے۔ یہ اعداد و شمار ہیں کوئی زبانی دعویٰ نہیں ہے۔ سوسائٹی کے عام اخلاق پاکیزہ ہیں۔ ہو سکتا ہے چند روسا وغیرہ مخرب الاخلاق عادات رکھتے ہوں تو ظاہر ہے ایسوں کی آخری سزا جو خالق نے تجویز کی ہے بھگتنا ہوگی۔ اگر انسان

ایک مکمل طریقہ مذہبی منجانب خالق کا پیرو ہے تو وہ لازمی طور پر ہزاروں برائیوں سے خود کو بچا سکتا ہے۔ چونکہ سوسائٹی میں ایک دوسرے پر اثر پڑنا لازمی ہے اس لئے محلے کے کل لوگ امن و چین کی زندگی گزارتے ہیں۔

طوعاً یا کرہاً دین الٰہی قبول کرنا پڑیگا

گویا حق بات جو قانون الٰہی کی شکل میں پیغمبر کے ذریعہ آچکی ہے۔ اسے مجبوراً سوسائٹی قبول کرے گی۔ خواہ قانون بنا کر کی جائے یا عقل اور تمیز سے قانون الٰہی کا جائزہ لے کر قبول کیا جائے۔ اب میں ایک بار پھر اپنے اصل مضمون یعنی تفصیلی طور پر ان فوائد کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جن پر گامزن رہ کر انسان منشاء الٰہی کے مطابق زندگی بسر کر کے اس کے فوائد سے بھی مالا مال ہو سکتا ہے۔ اور جو آخر کار خوشنودی خالق کا باعث ہے اور اس پر گامزن رہ کر اپنے چھوڑے ہوئے گھر کا دوبارہ مالک بننے کا مستحق ہو سکتا ہے۔ میرا تو دعویٰ ہے کہ طوعاً یا کرہاً سب ہی کو قدرتی قانون قبول کرنا پڑے گا۔ بلکہ اگر آپ غور سے گذشتہ صدیوں کے حالات اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کا جائزہ لیں گے تو میرا یہ دعویٰ اظہر من الشمس ثابت ہو جائے گا۔ اس کے لئے بھی میں دو چار مثالیں پیش کر کے اپنے دعویٰ کو انشا اللہ ثابت کر دوں گا۔ ملاحظہ فرمائیں میں نے لفظ طوعاً و کرہاً استعمال کئے ہیں جس کے معنے خوشی سے یا ناخوشی سے اچھی بات ہی تسلیم کرنا پڑے گی۔

چند مثالیں

پہلی مثال ہمارے ملک کے باشندوں کے

اس پرانی رسم ستی کی ہے جبکہ ایک بیوی اپنے شوہر کے انتقال کے بعد خود کو مذہبی طور پر شوہر کے ساتھ ساتھ جلا کر خاک کر دیتی تھی نہ معلوم وہ ایسا بذات خود کرتی تھی یا اس کی سوسائٹی یا اس کا مذہب اسے مجبور کرتا تھا۔ انسانیت کے دعویدار خدائی مذہب کے پیروؤں نے جدید قانون بنا کر اس خلاف انسانیت مذہبی رسم کو بند کر دیا۔ چنانچہ آج ایک بھی عورت اس بے رحمی کی موت نہیں مرتی گویا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خواہ کرہاً ہی سہی اپنی پرانی رسم کو چھوڑنا پڑا۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ یعنی حق آ گیا اور باطل دور ہو گیا۔

دوسری مثال شراب کی لیجئے پیغمبر سے سوال کیا کہ لوگ شراب اور جوئے کے متعلق احکام دریافت کرتے ہیں حکم ہوا کہ اس میں منافع بھی ہیں اور نقصان بھی، لیکن نقصان نفع سے زیادہ ہے۔ اسی وجہ سے ایک دوسرے مقام پر کہا کہ شراب، جوا، اور لاٹری کے مثل جو قرعہ کے تیر چلا کر حاصل کئے جاتے تھے اعمال شیطانی ہیں اس سے انسان کو بچنا چاہئے۔ چنانچہ یہ کل چیزیں منع کر دی گئیں۔ ان کا استعمال اسلامی حدود میں ناجائز قرار دیا گیا۔ اور یہ جرم قابل سزا ٹھہرا دیا گیا۔

اگرچہ بعض لوگ زر کثیر خرچ کر کے بندوبست کرتے ہیں ان کی تعداد انگلیوں پر گننے کے قابل رہ جاتی ہے۔ اس سلسلے میں دوسرے ممالک پر نظر ڈالئے کہ جو خرابیاں اس کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہیں۔ اگرچہ اس کی تفصیل بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ آپ ہم سے زیادہ جانتے ہیں کہ اس کے نتائج اور خرابیوں کے باعث ہی بعض حکومتیں شراب کو ممنوع قرار

دے رہی ہیں۔ اور اس کا استعمال قانون بنا کر روک رہی ہیں — میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ موجودہ قانون الٰہی چونکہ ہماری بہتری کی خاطر ہمیں عطا کیا گیا ہے اور دنیا کے لوگ اس سے متاثر ہیں۔ اس لئے جلد یا بدیر جب وقت بھی انسان کی نگاہ اس کے خراب نتائج پر غور کرے گی وہ قانوناً یا سوسائٹی کے ذریعہ اس کو ممنوع کر دے گی۔ چنانچہ شراب اور جوا یا لاٹری بعض حکومتوں کی جانب سے ممنوع قرار دیئے گئے ہیں۔

اگر حکومت قانوناً نہ بند کرے تو سوسائٹی مجبور کرتی ہے۔ کاش کہ لوگ مذہباً ان اشیاء سے بچنے لگیں تو حکومتوں کو قانون نہ بنانا پڑے۔ اگر مذہبی حیثیت سے اسے منظور کر لیں تو لاکھوں روپیہ کے اخراجات جو اس سلسلہ میں حکومت کو کرنے پڑتے ہیں وہ بچائے جا سکیں۔ چونکہ ان اخراجات کا بوجھ بھی آخرکار ملک کے رہنے والوں پر ہی پڑتا ہے۔ اس کے بعد سوسائٹی کے مفید حقوق کے سلسلہ میں ایک دو مثالوں پر بھی غور فرما لیجئے۔

خالق کا قانون انسان کی وراثت مال و جائداد میں ورثہ اور اولاد کا حق بھی مقرر کرتا ہے۔ لیکن بعض موجودہ مذاہب کے ماننے والے اس حق سے عورت کو محروم کرتے ہیں۔ صرف مرد ہی کو والدین کی جائداد کا حق دار سمجھتے ہیں۔ اس غیر مناسب حق تلفی کو آج کی تعلیم یافتہ عورت برداشت نہیں کر سکی اور وہ اپنے حق کی دعویدار ہو گئی کہ والدین کی میراث سے اسے بھی ملنا چاہیئے۔ لہٰذا خود ساختہ مذہب کے حکم کو توڑا جا رہا ہے۔ اور قانوناً عورت کا حق تسلیم کیا جا رہا ہے۔

براہ مہربانی نکاح، طلاق۔ عقد بیوگان پر بھی غور فرمایئے کہ اب حکومت نے ایک عام قانون انسانی حقوق کا بنا کر عورت کو آزاد کر دیا کہ اگر وہ چاہے تو نکاح کا رجسٹریشن کرا سکتی ہے۔ طلاق لے سکتی ہے۔ شوہر سے علیحدگی کرا سکتی ہے اور اسی طرح ایک بالغ عورت خواہ وہ بیوہ ہی کیوں نہ ہو دوسری شادی کر سکتی ہے۔ کچھ عرصہ قبل بیوگان کے عقد ثانی کو آریہ سماج کے لوگوں نے مصلحتاً اور ضرورتاً رائج کرنا چاہا۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ طوعاً یا کرہاً سوسائٹی مجبور ہو جائے گی کہ خلاف فطرت پابندیوں کو ختم کر دے۔ اور فطری قانون اپنے اوپر نافذ کرے۔ کاش روز اول سے قانون فطرت کو جو قادر مطلق اور خالق کل نے بتا کر اپنے پیغمبروں کی معرفت بھیجا ہے، ہم بے چون و چرا منظور کریں تاکہ اس کے فوائد سے بھی شروع دن ہی سے فیضیاب ہو سکیں۔ یہ چند مثالیں ہیں جو کسی بھی خلاف فطرت رائج الوقت دین کی ہیں۔ لیکن دین خالق کی عظمت کی نشاندہی کر رہی ہیں۔

اگر آپ اس عام قانون کا جائزہ لیں گے جس پر غیر مذاہب والے گامزن ہیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس کے قبول کرنے میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی انسان کے حقوق کی پامالی کے مترادف ہے۔ اسی باعث کتاب دین الٰہی کے ابتدائی صفحات میں خالق نے اس طریقہ کو پیش کرتے وقت ایسے الفاظ کہے ہیں کہ جو دنیا کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان پر آپ غور فرمائیں۔ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ .... لِلْکٰفِرِیْنَ۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر تمہیں اس کلام پر جو ہم نے اپنے بندے کی معرفت بھیجا ہے کچھ شک ہے تو اس کی مانند کوئی دوسرا

آیت لے آؤ۔ لیکن ہمارے علم میں، تو تم نہیں لا سکتے۔ پس اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن پتھر اور انسان ہوں گے اور جو منکرین کے لئے بنائی گئی ہے۔"

غور طلب امر یہ ہے کہ یہ چیلنج اس وقت آیا جب دنیا کے لوگوں کے لئے خالق کل نے شریعت یعنی مذہب کا قانون یا طریقہ مکمل کر دیا۔ یعنی نبی آخرالزماں کی آمد کے بعد اور ان کے زمانۂ بعثت میں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان چودہ صدیوں کے درمیان کوئی شخص اس چیلنج کے جواب میں کوئی قانون یا دوسرا طریقہ تفصیل کے ساتھ بحیثیت قانون مذہب اب تک پیش کرنے کا دعویٰ کر سکا ہے۔ اگر نہیں کیا ہے تو کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ اس قانون قدرت ہی کو نہ قبول کیا جائے۔ چونکہ جب قانون بن جاتا ہے اور گزٹ کر دیا جاتا ہے، تب نہ ماننے والوں کا کوئی عذر نہیں قبول کیا جاتا ہے بلکہ عدم تعمیل میں سزا بھگتنا پڑتی ہے۔ لہٰذا اس دین فطرت کے صادر و نافذ ہونے کے بعد ہمارا اسے تسلیم نہ کرنا خالی از خطرہ نہیں کہ ہمیں اس کی عدم تعمیل کے باعث سزا کا مستحق نہ کر دے۔ چونکہ ہمارے قبول نہ کرنے اور ہماری بے عملی کے باعث خالق کی پیدا کردہ دنیا اور اس میں بسنے والی مخلوق کا نظام درہم برہم ہو رہا ہے۔

کتاب الٰہی میں بعض ایسے احوال اور نشانات ہیں کہ جن کی تصدیق موجودہ سائنس کر رہی ہے۔ آپ مندرجہ بالا سطور پر غور فرمائیں۔ سب سے پہلے ہم اس کے آخری نبیؐ کے اس سفر کے متعلق لکھتے ہیں جو صرف چند لمحوں میں شروع ہو کر ختم بھی ہو گیا اور اس عرصہ میں ان مخصوص جگہوں اور نشانات کو دکھا دیا گیا۔ جہاں انسان کی پہنچ ممکن نہیں۔ ہاں حد نظر یعنی آسمانوں کی فضا میں ایک حد ایسی ہے کہ وہاں تک

انسان پہنچ سکتا ہے۔ اگر چند برس پیشتر کسی سے یہ کہا جاتا کہ انسان مصنوعی سیارہ کی طاقت سے اتنے دور دراز مقام پہ منٹوں میں پہنچ سکتا ہے۔ تو لوگ ہنستے اور مذاق اڑاتے۔ ٹھیک اسی طرح جب حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج سے واپس ہو کر اپنے سفر کے حالات بیان فرمائے۔ تو لوگوں نے مذاق اڑایا اور یقین نہیں کیا۔ گویا معلوم ہوتا تھا قادر مطلق کو جو اس کل کائنات کا خالق ہے اتنا بھی اختیار نہیں۔ لیکن آج کے سائنسدانوں نے یہ ثابت کر دیا کہ اگرچہ وہ مقامات دنیا سے کافی دوری پہ واقع ہیں، لیکن انسان منٹوں میں پہنچ سکتا ہے اور انہیں اس حقیقت کا بھی علم ہے کہ فضائے محیط میں بعض ستارے اس قدر دور و دراز فاصلہ پہ ہیں کہ ان کی روشنی دنیا تک پہنچنے میں ہزاروں سال لگ جاتے ہیں انھی مقامات تک انسان کی پہنچ ممکن ہے۔ چونکہ ان ستاروں کو کتاب الٰہی نے سما، دنیا کے نام سے ذکر کیا ہے۔ ہو سکتا ہے اس قدر دوری پر بھی انسان کو پہنچنے کی کسی وقت قدرت حاصل ہو جائے۔

سائنس کے موجودہ انکشافات نے کتاب الٰہی کے آیات کی تصدیق کر دی

ایک دوسری جگہ کتاب الٰہی میں یہ بھی درج ہے کہ ہماری زمین کے مثل اور بھی سات زمینیں ہیں، ہو سکتا ہے کہ وہ بعض ستارے ہوں اور وہاں کائنات کی مختلف اشیاء مثل روئیدگی دریا، پہاڑ اور مخلوق بستی ہو جہاں حضرت انسان پہنچنے کی فکر کر رہے ہیں۔ اگر پہنچ جائیں گے تو مسلم دنیا کو یہ کہنے کا حق حاصل ہو جائے گا قرآن کریم کی حقانیت آج کے سائنسدانی ثابت کر دی۔ جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام

معراج میں نبی آخر الزماں کا جسم کے ساتھ آسمانی سفر ثابت ہو گیا

پیغمبر کا ذکر جو قرآن کریم میں مندرج ہے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا ہوائی سفر جس میں ایک ماہ کا وقت صرف ہوتا، صرف صبح اور شام کے عرصہ میں ہو جاتا تھا۔ بعض لوگ ممکن ہے محض قصہ سمجھیں لیکن ہوائی جہاز کی ایجاد نے یہ عملی طور پر دکھا دیا کہ لندن سے دہلی تک کا سفر چند گھنٹوں میں ممکن ہے۔ چنانچہ یہ واضح ہو گیا کہ آج کل کی سائنس کی ایجادیں کتاب الٰہی یعنی قرآن کریم کی تصدیق کرتی جا رہی ہیں۔ اسی طرح یہ لازم آتا ہے کہ ہمارے آخری نبی کا سفر معراج جسمانی حیثیت سے واقع ہوا تھا اور انھیں تمام چیزیں دکھلائی گئی تھیں جو ایک ایسے سردار کے لئے ضروری ہیں۔ جس کے بعد کوئی دوسرا سردار آنے والا نہ ہو۔ یہ مناسب نہ تھا کہ اس خالق کا بھیجا ہوا پیغمبر جس کا واسطہ لوگوں سے رہے گا تمام چیزوں سے بے خبر رہتا۔ جو دنیا کے لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھنے والے تھے۔ خواہ وہ اشیاء دنیا کے کسی کونہ میں ہوں، خواہ آسمان کے کسی گوشہ میں ایک واقف کار شخص ہی کا انتخاب اس منصب رسالت کے لئے ہو سکتا تھا۔

معلوم ہوا کہ منشاء معراج یہی تھا کہ لوگوں کا سردار ان تمام چیزوں سے واقف رہے۔ جہاں تک مخلوق خدا کی رسائی ممکن ہے۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ تمہارا نبی اتنا بھی نہ جانتا تھا جتنا کہ ایک روس کی ہوا باز میجر گگارین یا دنیا کے دوسرے سائنسداں جانتے ہیں۔ لیکن کتاب الٰہی نے انسان کی پہنچ کے لئے کچھ حدود مقرر کر دیں اور اس کے ماورہی کے لئے حسب ذیل الفاظ کہہ دیئے وہ یہ ہیں۔

انسان کے لئے آسمانی سفر کے لئے حدود کا تعین

یا معشر الجن و الانس ....

.... فلا تنتصران

(سورہ رحمن)

ترجمہ ۔ ملاحظہ ہو ۔

"اے گروہ جن اور انسان کے اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو (ہم بھی دیکھیں) نکلو (مگر بدون زور کے نہیں نکل سکتے (بغیر اللہ کے زور کے) پس نکلنے کا وقوع بھی محتمل نہیں سو لے جن و انس، تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ تم دونوں پر قیامت کے آگ کا شعلہ اور دھواں چھوڑا جائے گا۔ پس پھر تم (اس کو) ہٹا نہ سکو گے۔"

جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان حدود میں داخلہ انسان یا جن کا ناممکن ہے۔ اس ذیل میں دو چیزیں ظاہر کیں جو سائنس کے زمانہ سے قبل قابل غور نہ تھیں۔ لیکن آج ان کا وجود سائنس نے دریافت کر لیا تو ان کے وجود اور ان کے احاطہ عمل کا اعتراف کرنا پڑ رہا ہے۔ پہلی چیز "شواظ من نار" اور دوسری "نحاس" ہے۔ شواظ نار آج کی ملیٹری کے پاس ایک ایسا ہتھیار ہے جو دشمن پر پھینکا جا سکتا ہے اور اس کی لپسٹ اس قدر تیز ہے کہ ایک موجودہ ساخت کے ٹینک میں بھی سوراخ کر کے اس کے اندر کے سپاہیوں کی ہلاکت کا باعث ہو جاتی

"شواظ من نار" کا ہتھیار آج ملٹری کے استعمال میں آچکا ہے

ہے۔ دوسری "نخاس" ہے یہ بھی ملٹری کے لوگ استعمال کرنے لگے ہیں جو اپنی فوج کے چھپانے کے لئے ایک بادل کی ٹٹی کا کام دیتی ہے کہ اس کی دوسری جانب کی اشیاء دکھائی نہیں پڑتیں۔ غرض ان دونوں مثالوں کی جن کا ذکر کتاب الٰہی میں تقریباً چودہ سو برس قبل ہو چکا۔ اس کتاب کی حقانیت کو ثابت کرتا ہے۔ جو آج کے سائنسداں نے ثابت کر دی۔

میں ایک ایسی طویل کتاب پیش کرنا مناسب نہیں سمجھتا کہ جس کے مطالعہ سے آپ گھبرا جائیں۔ اور اس کے لئے وقت نہ نکال سکیں۔ اس لئے صرف دو ایک مثالیں دے کر دوسرے مضمون کو پیش کرونگا۔

موسیٰ علیہ السّلام کے زمانہ میں ایک شخص سامری نامی تھا۔ اس نے موسیٰ علیہ السّلام کی عدم موجودگی میں قوم کے زیورات پگھلا کر بچھڑا بنا لیا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السّلام کو علم ہوا تو اس سے خلاف شرع کام جاری کرنے کا سبب دریافت کیا۔ لیکن جو بیان اس نے اپنی صفائی میں دیا وہ موسیٰ علیہ السّلام نے تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کے بچھڑا بنا کر بجائے خدا کے پوجا کرنے کی ابتدا کرنے کے باعث اس سے خفا ہوئے۔ اور اس کو بددعا کی کہ تو لوگوں سے علیحدہ رہنے لگے گا اور کہے گا کہ مجھ کو مت چھوؤ۔ بچھڑا بنا کر اس نے کچھ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا تھا۔ یوں بھی وہ قوم کا سردار تھا۔ ممکن ہے کچھ لوگوں نے اس کی طرح کہنا بھی شروع کر دیا ہو۔

ہندوستان میں یہ مرض کیوں پیدا ہوا جسے مذہب کا ایک جزو بنا لیا۔ کہ انسان کہتا ہے کہ دوسرا نیچ ذات کا شخص ہے اسے نہ چھو جائے۔ بلکہ بعض لوگ

چھوت چھات اسلامی امتیاز کے منافی ہے

اس درجہ سخت ہیں کہ دوسرے کا سایہ بھی اپنے اوپر پڑجانا پسند نہیں کرتے، لیکن اس بری رسم کو ایسی سوسائٹی جو تعلیم کا اچھا خاصہ معیار رکھتی ہے کیوں کر پسند کر سکتی چنانچہ ہندوستان میں گاندھی جی نے اس کے روکنے کی ابتدا کی۔ اور وہ کسی حد تک اس کے انسداد میں یعنی کم از کم اپنے گروہ کے مابین کامیاب ہوئے۔ یہاں تک کہ آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ حکومت نے چھوت چھات کو جرم قرار دیدیا۔ لیکن اس کا حقیقی انسداد محض یہ قانون نہیں کر سکے گا۔ اگر اس میں کامیابی حاصل ہوگی تو اس کے لئے ایک زمانہ درکار ہے۔ چنانچہ آج بھی دیہاتوں اور شہروں میں ہزاروں ایسے انسان ہیں جو اس رسم کو مذہبی حیثیت دیئے ہوئے ہیں اور عام طور سے چھوت چھات برت رہے ہیں۔ اور انھوں نے ایک معمولی سی بات پر بھی غور نہیں کیا۔ مثال کے طور پر ایک مچھر یا مکھی جو گندگی پر بیٹھتی ہے اور پھر انسان کے جسم پر بھی بیٹھ جاتی ہے۔ کیا اس نے انھیں چھو کر ان کے عقیدہ کی بنا پر انھیں نجس نہیں کردیا پھر تو وہ ایک مکھی کے بیٹھنے کو بھی نہیں روک سکتے اس لئے خالق کل نے اس سلسلہ میں بھی کچھ احکامات دیئے ہیں۔ انھیں کے تسلیم کرنے میں ہماری نجات ہے۔

خالق کا قانون کہتا ہے کہ دنیا کے سب رہنے والے بھائی بھائی ہیں۔ یعنی اخلاقی طور پر اس مرض کا علاج چاہتا ہے۔ اس لئے حکم خالق کے تسلیم کرنے والے ایک دوسرے کو اپنے برابر کا تصور کرتے ہیں۔ اور بجائے حکومت کے

قانون کے مذہبی حکم کی زیادہ قدر کرتے ہیں۔ اس طرح کچھ عرصہ میں سوسائٹی بھی انھیں مجبور کر دیتی ہے کہ وہ اس پر پابندی سے عمل کریں۔ چنانچہ انھی اثرات کا یہ نتیجہ ہے کہ سوائے اہل ہنود کے کسی دوسرے مذہب رکھنے والے کو آپ نہ دیکھیں گے۔

چھوت چھات ایک غیر ملکی ورثہ

وہ اس طرح کی چھوت چھات کرنا تو درکنار اس کا تصور بھی نہیں لا سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں بدبخت سامری کے خاندان کا مصر سے کوئی شخص پہنچا جس نے یہاں بھی ’مجھے نہ چھوؤ‘ کے جذبات پیدا کر دیئے۔

حقیقت شرک

آپ شرک کے مسئلہ پہ غور فرمائیے خالق کا یہ حکم ہے کہ اس کے ساتھ شرک کسی حالت میں نہ کیا جائے اور وہ شرک سے اس قدر بیزار ہیں کہ ایک قانون اپنے اوپر نافذ کر لیا کہ میں اپنے بندے کے دوسرے گناہوں کو ممکن ہے کہ معاف بھی کر دوں۔ لیکن جو لوگ شرک کریں گے انھیں ہرگز نہ معاف کروں گا۔ بلکہ ایسے لوگوں کو ہمیشہ آگ میں جلنے کی سزا دوں گا۔

پاکبازی اور فسق و فجور کی کیفیت انسان میں پیدا کی گئی

اب غور طلب یہ امر ہے کہ اس دین میں جس کے دین الٰہی ہونے کا دعویٰ کیا جا رہا ہے اس نے انسان میں اس طرح کی استعداد بھی پیدا کی ہے جس سے وہ ان تمام احکامات کو قبول کر سکے اور اپنے خالق کا حکم بجا لا سکے۔ اس سلسلہ میں کتاب الٰہی ایک عام اعلان انسان کی تخلیق کے متعلق کرتی ہے۔

کہ انسان کی تخلیق کے بعد کچھ صفات اس میں پیدا کیں۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا۔ (سورۂ شمس) مطلب یہ ہے کہ انسان کو بدکاری سے بچنے اور پرہیزگاری کرنے کی سمجھ عطا فرمائی۔ لہٰذا جس نے اسے پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا اور جس نے اسے خاک میں ملایا وہ خسارہ میں رہا۔

اللہ کے ساتھ غیر معبود کا تصور

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ .... لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ۔ (سورۂ مومنون)

ترجمہ۔ "اور جو شخص خدا کے ساتھ اور معبود کو پکارتا ہے جس کی اس کے پاس کچھ بھی سند نہیں تو اس کا حساب خدا ہی کے ہاں ہوگا۔ کچھ شک نہیں کہ کافر رستگاری نہیں پائینگے۔"

ایک دوسری جگہ لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا۔

يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ (سورۂ لقمان)

ترجمہ۔ "اے بیٹے شرک نہ کر، شرک کرنا ظلم عظیم ہے۔"

انسانی معاہدہ کے قول و قرار کے متعلق فرمایا۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ .... اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (سورۂ صف)

ترجمہ۔ اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو، خدا کے

نزدیک بہت ناراضی کی ہے ۔ کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں ۔”

اب اس کے بعد اس کو نفس کے درست کرنے کے طریقے بھی بتائے بطور مثال کتاب الٰہی کے اٹھارویں پارہ (چیپٹر) میں شروع کیا ۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ
صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ . . . .
. . . . وَعَلَیْهَا وَعَلَی
الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ ۔ بالتحقیق ان مسلمانوں نے آخرت میں فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں ۔ اور جو لغو باتوں سے (خواہ قولی ہوں یا فعلی) بر کنار رہنے والے ہیں ۔ اور جو (اعمال اخلاق میں اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں ۔ لیکن اپنی بی بیوں سے یا اپنی (شرعی لونڈیوں سی) حفاظت نہیں کرتے) کیوں کہ ان پر (اس میں) کوئی الزام نہیں ۔ ہاں جو اس کے علاوہ (اور جگہ شہوت رانی کا) طلبگار رہو ایسے لوگ حد شرعی) سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی (سپردگی میں لی ہوئی) امانتوں اور عہدوں کا خیال رکھنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی پابندی کرتے ہیں (بس) ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں ۔ جو فردوس کے وارث ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔ اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ (یعنی غذا) سے بنایا ۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ (ایک مدت معینہ تک) ایک محفوظ مقام

یعنی (رحم) میں رہا۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا۔ پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو (گوشت) کی بوٹی بنا دیا۔ پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض اجزاء) کو ہڈیاں بنا دیا۔ پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا۔ پھر ہم نے اس میں روح (ڈالکر) اس کو ایک دوسری ہی (طرح کی) مخلوق بنا دیا۔ سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔ پھر تم بعد اس تمام (قصۂ عجیبہ) کے ضرور ہی مرنے والے ہو۔ پھر قیامت کے روز دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔ اور ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے اور ہم مخلوق کی مصلحتوں سے بے خبر نہ تھے۔ اور ہم نے آسمان سے (مناسب) مقدار کے ساتھ پانی برسایا پھر ہم نے اس کو مدت تک زمین میں ٹھہرایا اور ہم اس پانی کے معدوم کر دینے پر (بھی) قادر ہیں۔ پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ سے باغ پیدا کئے کھجوروں کے اور انگوروں کے تمہارے واسطے ان میں بکثرت میوے بھی ہیں۔ اور ان میں سے کھاتے بھی ہو۔ اور اسی (پانی) سے ایک (زیتون کا) درخت بھی (ہم نے پیدا کیا) جو کہ طور سینا میں (بکثرت) پیدا ہوتا ہے جو اگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے اور تمہارے لئے مواشی میں (بھی) غور کرنے کا موقع ہے کہ ہم تم کو اپنے جوف میں کی چیز (یعنی دودھ) پینے کو دیتے ہیں۔ اور تمہارے لئے ان میں اور بہت سے فائدے

ہیں اور نیز ان میں سے بعض کو کھاتے بھی ہو۔ اور ان پر
اور کشتی پر لدے لدے پھرتے بھی ہو۔"

اس پورے جزو کے وسط میں انسانی تخلیق کے متعلق تفصیل بتائی ہے جس کے یہاں صرف معنی بتاؤں گا۔ لیکن اگر اس کی تفصیل موجودہ سائنس کی روشنی میں دیکھنا منظور ہے۔ جس سے قدرت کے کمالات کے راز کھلتے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔ جو تخلیق انسانی اور سائنس کے نام سے احتشام الدین صاحب ڈپٹی ڈائرکٹر تعلیمات یوپی نے لکھی ہے اور اسی طرح اس کے صفات کے متعلق بہت سی اور اسی طرح کی کتابیں لکھی جا چکی مثلاً قرآن پاک اور آسمانی پرواز جس کے مؤلف معین الدین رہبر فاروقی، حیدرآبادی ہیں۔ اور اس کے علاوہ بے شمار کتاب صفات الٰہی کی تشریح میں لکھی گئی ہیں۔ اگر ان سب کو ایک جگہ جمع کیا جائے تو ہزاروں صفحات پر مشتمل ہوگا۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ سورۃ الفرقان میں ہے۔

"تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا ۵۱ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ . . . .

. . . .

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ یَكُوْنُ لِزَامًا ۵

ترجمہ۔ وہ وقت بہت عالیشان ہے جس نے آسمان میں بہت بڑے

بڑے ستارے بنائے اور اس (آسمان) میں ایک چراغ (یعنی آفتاب) اور نورانی چاند بنایا۔ اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والے بنائے (یہ باتیں) اس شخص کے لیے ہیں جو غور کرنا چاہے یا شکر گزاری کا ارادہ کرے (سوچنے اور سمجھنے کے لئے)۔ اور خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں۔ اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے پروردگار کے آگے سجدہ کرکے اور (عجز و ادب) سے کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں۔ اور وہ جو دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے پروردگار دوزخ کے عذاب سے ہم کو دور رکھیو۔ کہ اس کا عذاب بڑی تکلیف کی چیز ہے۔ اور دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت بری جگہ ہے۔ اور وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بیجا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کو کام میں لاتے ہیں۔ بلکہ اعتدال کے ساتھ نہ ضرورت سے زیادہ نہ کم۔ اور وہ جو خدا کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جاندار کو مار ڈالنا خدا نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے۔ مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہوگا۔ قیامت کے دن اس کو دونا عذاب ہوگا اور ذلت وخواری سے ہمیشہ اسمیں

رہے گا۔ مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے
تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو خدا نیکیوں سے بدل دے گا۔
اور خدا تو بخشنے والا مہربان ہے اور جو توبہ کرتا اور عمل نیک کرتا
ہے تو بے شک وہ خدا کی طرف رجوع کرتا ہے اور وہ جو جھوٹی
گواہی نہیں دیتے اور جب ان کو بے ہودہ چیزوں کے پاس سے
گزرنے کا اتفاق ہو تو بزرگانہ انداز سے گزرتے ہیں۔ اور وہ
کہ جب ان کو پروردگار کی باتیں سمجھائی جاتی ہیں تو ان پر اندھے
اور بہرے ہو کر نہیں گرتے۔ (بلکہ غور و فکر سے سنتے ہیں) اور
وہ جو خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں
کی طرف سے (دل کا چین) اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک
عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔ ان (صفات کے)
لوگوں کو ان کے صبر کے بدلے اونچے اونچے محل دیئے جائیں گے۔
اور وہاں فرشتے ان سے دعا و سلام کے ساتھ ملاقات کریں گے۔
اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت
ہی عمدہ جگہ ہے۔ کہہ دو کہ اگر تم (خدا) کو نہیں پکارتے تو میرا
پروردگار بھی تمہاری کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ تم نے تکذیب کی
ہے سو اس کی سزا (تمہارے لئے) لازم ہوگی۔

اس کے علاوہ سورہ بنی اسرائیل میں دو رکوع ہیں جو شروع ہوئے ہیں۔

"وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِا

لُوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ....

.... اِنَّكُمْ لَيَقُوْلُوْنَ قَوْلًا

عَظِيْمًا ۵

ترجمہ ۔ اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہنا اور نہ انھیں جھڑکنا اور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا۔ اور عجز و نیاز سے ان کے آگے جھکے رہو اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگار جیسا انھوں نے مجھے بچپن میں (شفقت) سے پرورش کیا ہے تو بھی ان کے حال پر رحمت فرما جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تمہارا پروردگار اس سے بخوبی واقف ہے ۔ اگر تم نیک ہوگے تو وہ رجوع لانے والوں کو بخش دینے والا ہے ۔ اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ ۔ کہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار (کی نعمتوں) کا کفران کرنے والا (یعنی ناشکرا) ہے ۔

اگر تم اپنے پروردگار کی رحمت (یعنی فراخ دستی) کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہو ان مستحقین کی طرف توجہ نہ کر سکو تو ان سے نرمی سے بات کہہ دیا کرو اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا (یعنی بہت

تنگ) کر لو (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ بالکل کھول ہی دو (کہ سب ہی کچھ دے ڈالو اور (انجام) یہ ہو کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔ بے شک تمہارا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے۔ اور (جس کی روزی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے) وہ اپنے بندوں سے خبردار ہے۔ اور (اُن) کو دیکھ رہا ہے۔

اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے نہ قتل کرنا۔ (کیونکہ) ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ ان کا مار ڈالنا بڑا سخت گناہ ہے اور زنا کے بھی پاس نہ جانا کہ وہ بےحیائی اور بری راہ ہے اور جس جاندار کا مارنا خدا نے حرام کیا ہے، اسے نہ قتل کرنا مگر جائز طور پر (یعنی بفتوائے شریعت) اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے (کہ ظالم قاتل) سے بدلا لے۔ تو اس کو چاہیئے کہ قتل (کے قصاص) میں زیادتی نہ کرے۔ کہ وہ منصور و فتحیاب ہے اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکنا۔ مگر ایسے طریق سے کہ بہت بہتر ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔ اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں ضرور پرسش ہو گی۔ اور جب (کوئی چیز) ماپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو اور جب (تول کر دو۔ تو) ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو یہ بہت اچھی بات اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت بہتر ہے۔ اور اے بندے جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ

کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب (جوارح) سے ضرور باز پرس ہوگی۔ اور زمین پر اکڑ کر اور تن کر مت چل کہ تو زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالے گا اور نہ لمبا ہو کر پہاڑوں کی (چوٹی) تک پہنچ جائے گا۔ ان سب (عادتوں) کی برائی تیرے پروردگار کے نزدیک بہت ناپسند ہے۔ اے پیغمبر یہ ان (ہدایتوں) میں سے ہیں جو خدا نے دانائی کی باتیں تمہاری طرف وحی کی ہیں۔ اور خدا کے ساتھ اور کوئی معبود نہ بنانا کہ (ایسا کرنے سے) ملامت زدہ اور درگاہ خدا سے راندہ بنا کر جہنم میں ڈال دیئے جاؤ گے۔ (مشرکو!) کیا تمہارے پروردگار نے تم کو تو لڑکے دیئے اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنایا۔ کچھ شک نہیں کہ (یہ) تم بڑی (نامعقول) بات کہتے ہو۔"

انسانی اخلاق کے سدھارنے کی غرض سے کتاب الٰہی میں متعدد آیات اس کے علاوہ ہیں یہاں صرف "مشتے از خروارے" پیش کی جا رہی ہیں۔ اس اصلاحی کیفیت پیدا کرنے کے اور احکامات کو قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ اس طرح انسان کی زندگی کے ہر شعبہ پر تفصیلی احکامات موجود ہیں۔

اس کتاب میں یہ تو ممکن نہیں ہے کہ کتاب الٰہی کی جملہ آیات احکامی پر روشنی ڈالی جائے۔ لہٰذا یہ مناسب ہے کہ اس طرح کی آیات کی ایک فہرست اس کتاب میں شامل کر دی جائے۔ جو آیات انسان کے اخلاق کو بلند کرتی ہیں۔ اور یہی صفت تھی جو خالق نے اپنے پیغمبر آخر الزماں میں بدرجۂ اتم عطا فرمائی

ہے۔ چونکہ اس پر ہزاروں اچھائیوں کا دارومدار ہے۔ چنانچہ یہ الفاظ فرمادیئے۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم۔ معنی "آپ کا درجہ اصلاحی حیثیت سے بلند ہے۔

نوٹ :- وہ آیات اس کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

فرقۂ سکھ بابا نانک اور اسلام

یہ امر قابل اطمینان ہے کہ آج کی دنیا ایک خدا یا خالق کی پرستش کی طرف زیادہ مائل ہوتی جارہی ہے۔ مثلاً ہندوستان میں سکھ مذہب کا وجود کہ وہ لوگ کسی قسم کی مورتی پوجا روا نہیں رکھتے بلکہ ایک ہی خدا کا تصور کرتے ہیں۔ بابا نانک کے طریقہ پہ چلنے ہیں جو ان کے یہاں ایک ممتاز ہستی ہوئی ہے۔ جو ایک ہی خدا کے قائل تھے۔ اگرچہ وہ اپنی ذات سے تو خالق کے آخری نبی کے حکم کی تعمیل میں خانہ کعبہ کے طواف اور حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے تھے۔ جس کی تاریخ شاہد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تابعین ایک ہی خدا کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔ اگرچہ ہندوستان میں رہنے کے باعث بعض رسومات اختیار کر رکھی ہیں جن سے مذہب کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مذہبی عقیدہ خدائے واحد ہی کا ہے۔ اسی طرح دوسرا طبقہ آریہ صاحبان کا ہے جو آریہ سماجی طبقہ کہلاتا ہے۔ وہ بھی مورتی پوجا کا قائل نہیں ہے اور اس کے مندروں میں مورتیاں نہیں ہیں۔ اس طبقہ نے ہندو سوسائٹی میں کافی اصلاحی تدابیر جاری کی ہیں۔

مذہبی فرقوں کی غیر ضروری رواداری

لیکن جس بات کی کمی کا عام

احساس ہے وہ یہ ہے کہ باوجود مورتی پوجا کے قائل نہ ہونے کے ایسے تہواروں اور میلوں میں عام اہل ہنود کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں جن کا تعلق مذہبی ہے۔ اگرچہ حقیقت میں عقیدۃً مذہب کے معاملہ میں اپنے اپنے طریقہ پر گامزن رہ کر وہ اس جدید طریقہ کی تبلیغ کر سکتے تھے۔ اس کی اس رواداری کے باعث یہ شبہ ہونا لازمی ہو جاتا ہے کہ ان کا عقیدہ بھی مورتی پوجا کرنے والوں سے ملتا جلتا ہے۔ جو ان کے اصلی مقصد کے خلاف ہے۔ آپس کی رواداری۔ معاملات دنیاوی میں برتنا اچھا ہی نہیں بلکہ ضروری ہے۔ لیکن مذہب کے معاملات میں ایسا کوئی موقع نہ آنے پائے، جس سے لوگ غیر خدا کا تصور کرنے لگیں۔ جو بات ایک موحد فرقہ کے مسلک کے خلاف ہے بلکہ صاف الفاظ میں ایک خدا کی خوشنودی کی خاطر یہ الفاظ کہہ دینا مناسب ہیں۔ بھائی مذہب کے معاملہ میں ہمیں ہمارا خدا اور تمہیں تمہارا خدا کافی ہے تاکہ بلا مزید تاخیر دنیا ایک ہی دین یعنی دین الٰہی کی فرمانبردار بن جائے۔

ہندو جاتی کا تعلیم یافتہ طبقہ اور طریقۂ عبادت

یہی منشاء الٰہی ہے جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ جلد یا بدیر خوشی سے یا ناخوشی سے دنیا کے سب لوگ ایک ہی دین کو قبول کریں گے۔ چنانچہ اگر آپ ہندو جاتی کے تعلیم یافتہ طبقہ کے عبادت کے طریقہ پر غور فرمائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ مندروں میں بغرض عبادت نہیں جاتے بلکہ عام طور پر اپنے اپنے گھروں میں رہ کر عبادت کرنے کے عادی ہوتے جا رہے ہیں لیکن بعض صاحبان غالباً مورتی کو سامنے رکھ لیتے ہیں اور اس کی یہ

تاویل کرتے ہیں کہ اس مورتی کو درمیان میں رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے دھیان سے خدا کا دھیان قائم ہوتا ہے، لیکن وہ نہیں سمجھتے کہ ایک اعلیٰ تصور کے لئے ایک چیز کو درمیان میں لانے سے اصل مقصد کے حصول میں کامیابی حسب منشا نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ کا مقصد خدا کا تصور پیدا کرنا ہے تو بجائے اس مورتی یعنی تصویر کے آپ کسی جاندار مخلوق کے تصور سے زیادہ فائدہ حاصل کر سکتے تھے۔ مثال کے طور پہ خدا کی ایک مخلوق یعنی ان چارپایوں پہ غور کریں جن سے آپ دودھ، گھی، حاصل کر رہے ہیں۔ ان کے متعلق خالق فرماتے ہیں کہ میں نے گوبر اور خون کے درمیان سے ان جانوروں سے دودھ پیدا کیا۔ غور فرمائیے کیا یہی ایک نشانی اپنے خالق کے تصور اور اس کو اپنا اور کل مخلوق کا مالک سمجھنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ چنانچہ کتاب الٰہی نے بطور مثال اپنی قدرت کے مناظر کی اسی طرح ایک مثال دی ہے۔ "وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَۃً نُسْقِیْکُمْ مِمَّا فِیْ بُطُوْنِہٖ مِنْ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ"

اور تمہارے لئے چارپایوں میں بھی (مقام) عبرت و غور ہے۔ کہ ان کے پیٹوں میں جو گوبر اور لہو ہے اس سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں۔ جو پینے والوں کیلئے خوشگوار ہے۔"

کہ انسان غور کرے کہ گوبر اور خون کے درمیان سے دودھ خالص کا پیدا کر دینا یہ ایک عجیب قدرت کا نمونہ ہے کہ ایک جانور کے اس حصہ سے دودھ تیار ہو جاتا ہے جس میں خون اور گوبر ایک ساتھ موجود ہیں، ان کے درمیان سے دودھ جاری کر دیا جاتا ہے۔ کیا اس ترکیب سے دودھ کا پیدا کرنے والا خالق کے علاوہ کوئی دوسرا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا وہی قابل پرستش بھی ہے۔ اور اس کی اس مخلوق کا تصور اس کی قدرت کی نشانہی کر رہا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی صاحب خوشبودار اور خوبصورت پھول عبادت کے وقت سامنے رکھیں اور اس پھول کے خالق

اللہ کے تصور کے لئے اس کی مخلوق کائنات کا تصور کافی ہے

کا تصور اس طرح کریں کہ اگرچہ یہ ایک معمولی پھول ہے لیکن اس کے خالق نے اسے کیا خوب بنایا ہے۔ اور کتنی دل آویز اس کی خوشبو ہے اور کیا ہی خوب اس کی پنکھڑیاں ہیں اور اس میں کتنی باریک باریک رگیں اور ان پنکھڑیوں میں رگوں کا ایک جال پھیلا ہوا ہے، جس سے وہ اپنی تازگی برقرار رکھنے کے لئے غذا حاصل کر رہی ہیں۔ اور اب یہ پھول قریب مرجھانے کے ہے کیونکہ اس کا رشتہ اس کی اصل سے منقطع ہو چکا ممکن ہے تھوڑی دیر میں اس کی خوشبو بھی جاتی رہے اور اس کو کوڑے کرکٹ میں ڈال دیا جائے، یہی طریقہ خالق نے اپنی کتاب میں اپنی صفات ظاہر کرنے کے لئے اختیار کیا ہے۔ لہٰذا کیا خالق کی ان صفات پر غور و خوض کرنے سے اس کی قدرت اور وجود کا پتہ نہیں چل رہا ہے۔ لہٰذا یہی ایک چیز اس کے تصور کے لئے کافی ہے۔ اگرچہ اس طرح ہزاروں چیزیں اس کی مخلوق میں ہیں جو انسان کو فائدہ پہنچا رہی ہیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ انھیں سامنے رکھا جائے جب ہی اس کا تصور ممکن ہے چونکہ بعض ایسی اشیاء بھی ہیں جن کو آپ کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتی ہیں۔ لیکن اس کی خوبیوں اور فوائد سے آپ متاثر ہیں۔ مثلاً ایک ہوا ہی کو لیجئے کیا آپ نے کبھی ہوا کا رنگ و روپ یا شکل دیکھی ہے۔ لیکن آپ اسے محسوس کرتے ہیں۔ اگر سرد خطہ کی جانب سے آرہی ہے تو سردی محسوس کرتے ہیں۔ ہوا خالق کے وجود کی بھی ایک دلیل ہے کہ جس طرح ہوا موجود ہے، دیکھی نہیں جاتی۔ اسی طرح خدا موجود ہے دیکھا نہیں جاتا۔ ہوا کے وجود سے آپ زندگی اور حیات محسوس کرتے ہیں لیکن آپ نے کبھی اسے دیکھا نہیں ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کی یہ مخلوق خدا کا تصور پیدا کرنے میں کسی طرح اس پتھر کی مورتی سے کم ہے۔ ایسی چیز کو درمیان میں کس وجہ

سے لایا جائے۔ جس سے دوسرے یہ شبہ کریں کہ آپ خالق کے ساتھ اسے شریک بنا رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ خالق کے تصور کو قائم کرنے کے لئے مورتی کو سامنے نہ رکھا جائے بلکہ اس کی صفات کا تصور کافی ہے۔ کیونکہ آپ ایک ہی خدا کی پرستش کا دعویٰ کر رہے ہیں۔

اولاد کو قتل نہ کرنے کا حکم

ذیل کی چند سطور میں ایک دوسری آیت کتاب دین الٰہی سے پیش کر رہا ہوں جس میں اولاد کو قتل نہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ یہ حکم آج کی دنیا کے لئے از حد ضروری ہے۔ چونکہ یہ جرم اب انفرادی نہیں رہا بلکہ اس نے اس درجہ اجتماعیت حاصل کر لی ہے کہ بعض حکومتوں نے اس جرم کو جاری رکھنے کے لئے محکمے قائم کر دیئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے کتاب الٰہی کے الفاظ۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ
نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ
خِطْاً كَبِيْرًا ۵ (سورہ بنی اسرائیل)

ترجمہ۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ — "تنگی اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں اور انھیں رزق پہنچاتے ہیں ان کا قتل خطائے کبیر ہے۔"

اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ہے کہ اب تک تو بعض لوگ مفلسی کے خیال سے قتل کر دیتے تھے۔ جو حکومت کی نظر میں ایک جرم کی حیثیت رکھتا ہے کہ مجرم کو سزائے موت تک دی جاسکتی ہے۔ لیکن حکومتوں نے آبادی بڑھ جانے کے خوف سے جس کا مطلب

یہی ہے کہ اس کو بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے مکانات اور اشیائے خوردنی کا انتظام گراں گزرنے لگا ہے۔ حقیقت میں تو حکومتیں خود اس جرم کی مرتکب ہو رہی ہیں۔ جس کے جرم کے سلسلہ میں اس کا قانون موت کی سزا تجویز کرتا ہے۔ کیا خوب عمل ہے کہ حکومت پبلک کی کمائی کا بیش بہا خزانہ صرف کر کے ایک محکمہ کے اخراجات پر بے دریغ خرچ کر رہی ہے۔ دوسری جانب ہزاروں روپئے کاشت کو بڑھانے، نہریں، ٹیوب ویل، بجلی کے خزانے پر صرف کیا جا رہا ہے۔ تاکہ بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے کھیتی کے ذرائع کی توسیع کی جائے۔ مقصد ان جملہ تعمیرات اور اسکیموں کے مکمل کرنے کا یہ ہے کہ کھیتی کے ذرائع کی توسیع کر کے پوری طور سے غلہ مختلف قسم کے اناج زیادہ مقدار میں پیدا کئے جائیں۔ طریقہ صحیح اور درست ہے کہ ضرورت کے لئے غلہ پیدا کر کے مشکلات کو ختم کیا جائے۔ دوسری جانب یہ کوشش دنیا میں رونما ہو چکی ہے کہ چاند اور تاروں میں جو زمین موجود ہے وہاں پہنچا جائے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ممکن ہے کہ آپ ان زمینوں کا پتہ چلا لیں اور وہاں پہنچ بھی جائیں چونکہ جو دین الٰہی کی کتب کا علم رکھتے ہیں اور اس کے ارشادات سے بخوبی واقف ہیں کہ ہماری موجودہ زمین کے علاوہ اس کی مثل سات دوسری زمینیں ہیں۔ جس کا تذکرہ اس کتاب الٰہی میں کیا گیا ہے جو خالق کائنات کے پیغمبر آخرالزماں

ایک جانب سعیٔ تعمیرات و آبادکاری دوسری جانب قطع نسل ـــ کیوں؟

کی معرفت دنیا کے کل انسانوں کے لئے اتاری گئی ہے۔ اور اسی کتاب میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کائنات کی وہ کل اشیاء جو ہمیں دکھائی دے رہی ہیں انسان ہی کی خاطر اور اسی کے لئے بنائی گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ذرائع بڑھائے جا چکے ہیں۔ (اور اب بنجر زمینوں کو بھی قابل کاشت بنا چکے ہیں) جو چند سال پیشتر غیر مزروعہ پڑی تھیں۔ اور جب کہ آپ اس زمین کے علاوہ دوسری زمینوں پہ آباد ہونے کے منصوبے بنا رہے ہیں تو پھر نسل کو کم کرنے اور ان اسکیموں پہ لاکھوں روپیہ خرچ کرنے کا مقصد کیا ہے ـــــ خوب ـــــ! ایک طرف تو رہنے والوں کے لئے زمین کی تلاش کرتے ہیں۔ دوسری جانب نسل کشی کی اسکیمیں جاری کرتے ہیں۔

آج کا انسان لادینی حکومت کے غلط منصوبہ بندی اور دوسرے ممالک کی غلط پیروی کا شکار

اس کے علاوہ نتائج میں ایسی، فاقہ کشی میں قوم کو مبتلا کیا گیا ہے۔ جو قابل عبرت ہے۔ جب فوج کی بھرتی کے لئے نوجوانوں کی جانچ کی جاتی ہے تو وٹامن کی کمی کے باعث اس قدر کمزور پائے گئے کہ وہ فوجی معیار پہ پورے نہیں اترتے اور ملک کی خدمات سے معذور ہیں

معلوم ہوا کہ آپ جو اشیاء خوردنی وغیرہ پیدا کر رہے ہیں وہ لوگوں کو میسر نہیں آتیں۔ وہ فاقہ کرنے پر مجبور ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ خود ہمارے ملک کے آزاد ہونے کے پیشتر سال دو سال قبل ہم ایک روپیہ میں ۸ سیر غلہ

ایک سیر گھی۔ ۶ سیر دودھ خریدتے تھے جس کی وجہ سے ہمارے بچے تندرست وتوانا رہتے تھے۔ لیکن آج یہ سب حاصل شدہ غلہ جس پر کروڑوں روپیہ صرف ہوا ہے دوسرے ممالک کو بھیجا جاتا ہے کہ بیرونی زرمبادلہ حاصل کرکے اسکیموں کی نذر کردیا جائے۔ کروڑوں اور اربوں روپئے کی اسکیموں سے بجلی کے آبشار وغیرہ بنائے جاتے رہیں گے جس کے باعث بیرونی ساخت کی مشینیں خریدنے کے لئے کروڑوں روپئے بیرونی ممالک کو بھیجے جارہے ہیں۔

کاش! گاندھی جی جیسے مخلص حضرات کے مشورہ پر عمل ہوتا کہ چھوٹی چھوٹی گھریلو صنعتیں جاری کی جائیں۔ چونکہ ہمارے ملک کی آبادی اس قدر کثیر ہے جس کے باعث مزدور کافی تعداد میں کم داموں میں مہیا کئے جاسکتے ہیں اور وہ تمام کام انجام دے سکتے ہیں جو آپ کروڑوں روپئے صرف کرکے عظیم الشان بجلی گھر قائم کرکے لے رہے ہیں اور نہیں کہا جاسکتا کہ آئندہ زمانہ میں جبکہ سائنس کا معیار اس قدر بلند ہوچکا ہے جس نے ایٹمی طاقت دریافت کرلی ہے اس قدر ارزاں حاصل ہوجائے کہ آج کل کے بجلی کے ذرائع مالی حیثیت سے مقابلہ نہ کرسکیں۔

ان تمام ذرائع اور حالات کی موجودگی میں قطع نسل کی اسکیموں کو کیوں چلایا جارہا ہے۔ جبکہ آپ بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے زیادہ سے زیادہ غلہ پیدا کرنے کے ذرائع پر بیدریغ روپیہ صرف کرکے اسکیموں کو کامیاب بنا رہے ہیں۔ اور جبکہ موجودہ زمین کی تنگی دور کرنے کے لئے دوسری زمینوں کی تلاش اور ان پر پہونچنے اور قیام کرنے کے امکانات قریب

تر ہوتے جارہے ہیں۔

ان حالات میں خاندانی منصوبہ بندی (فیملی پلاننگ) پر لاکھوں روپیہ پھونک دینا تو اس امر کا مصداق ہے کہ سوار گھوڑے کو تیز چلانے کے لئے چابک کا استعمال کرتا ہے اور دوسری جانب فوراً ہی اس کی لگام کھینچتا ہے۔ یہ عجیب طرح کا سوار ہے کہ جس پر لوگ جتنا بھی ہنسیں تعجب خیز نہیں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے حالات کا جائزہ لئے بغیر ایک ملک کا انسان دوسرے ملک کی نقل کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ اس بات پر غور کرے کہ یہ فعل اس کے لئے مناسب ہے بھی کہ نہیں۔

اس کا اصل سبب یہ ہے کہ وہ اس دین یا مذہب کی تلاش اور جستجو نہیں کرتا جو اس کے کل حالات کے پیش نظر اس کے خالق نے اس کے لئے تجویز کر دیا ہے۔ جس نے وہ جملہ کیفیات، حادثات اور اس کی زندگی سے وابستہ کرنے والے چند امور بھی پیدا کئے ہیں۔ جن پر عمل کرنے یا ان سے بچ کر چلنے کی کیفیت بھی انسان میں پیدا کر دی ہے۔ اس لئے اور محض اس لئے ایک طریقہ بھی اس کے لئے تجویز کر دیا۔ کہ اگر انسان اس پر گامزن رہے گا تو اپنے خلاف آنے والے حادثات اور معاملات دنیاوی یا اخروی سے امن میں رہے گا اس سلسلہ میں صاف اور آخری حکم کتاب الٰہی میں موجود ہے۔

"قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا
تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا

……

ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ ....
تَعْقِلُوْنَ ط

ترجمہ۔ "کہو کہ (لوگو) آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کر دی ہیں (ان کی نسبت اس نے ارشاد فرمایا ہے) کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بنانا اور ماں باپ سے (بدسلوکی نہ کرنا بلکہ) سلوک کرتے رہنا اور ناداری کے (اندیشے سے) اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا، کیونکہ تم اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔ اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ اس کے پاس نہ پھٹکنا۔ اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو خدا نے حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا۔ مگر جائز طور پر (یعنی جس کا شریعت حکم دے) ان باتوں کی وہ تمہیں تاکید کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔"

مذہب کی تعلیم دنیاوی مشکلات سے انسان کو نجات دلا سکتی ہے۔ سوسائٹی کا بہترین فرد بنا سکتی ہے۔

چنانچہ اپنی کتاب میں فرمایا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى۔

ترجمہ۔ "پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔"

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ
مَعِيشَةً ضَنكًا وَّنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
أَعْمٰى ۔

ترجمہ۔ "اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا۔ اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی۔ اور قیامت کو ہم اسے اندھا کرکے اٹھائیں گے"

چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ مکمل دین الٰہی کی پیروی نہیں کر رہے ہیں اگر ان کے حالات زندگی کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ باوجود مال و متاع ہونے کے زندگیاں ان کے لئے وبال جان بن گئی ہیں۔ چند مثالیں پیش کئے دیتا ہوں، یقیناً وضاحت ہو جائے گی۔

دین الٰہی عورت و مرد کے لئے ایک دوسرے کے سامنے آنے، گفتگو کرنے وغیرہ وغیرہ کے لئے کچھ حدود مقرر کرتا ہے۔ لیکن جن ملکوں اور قوموں نے حدود کو توڑ رکھا ہے مثلاً رقص گاہیں۔ مخلوط سوسائٹی، مخلوط تعلیم وغیرہ۔ اس کے جو نتائج مرتب ہوئے ہیں جب اس کی جانچ اور تفتیش حکومت اور ملک کے مقرر کردہ کمیشنوں اور کمیٹیوں نے کی تو ان کی رپورٹ سے صاف طور پر آشکارا ہے کہ ہزاروں طالبات غیر مردوں سے ربط و ضبط رکھ کر حاملہ ہوئیں اور کنواری کہلانے کی خاطر حمل ضائع کرانے پڑے۔

جن صاحب نے کتاب "فادر انڈیا" جو "مادر انڈیا" کے جواب میں لکھی گئی تھی پڑھی ہیں، وہ بخوبی واقف ہیں کہ صرف ایک حکم کے تسلیم نہ کرنے کے باعث ایک محرم عورت کو غیر محرم مرد کے ساتھ سوسائٹی میں بیٹھ کر کس قدر عظیم

نقصان اٹھانا پڑا۔ لیکن اب یہ مرض ایسا عام ہو گیا ہے کہ ہر خاص و عام اس کے نقصانات سے واقف ہے۔ بلکہ لوگوں کا ضمیر بغیر کسی حوالہ کے ان واقعات کی تصدیق کر رہا ہے۔ اور کون ایسا ہے جو شبانہ روز اس طرح کے واقعات اپنے کانوں یا آنکھوں سے دیکھ سن نہیں رہا ہے۔ اسی طرح شراب، جوا، ناپ تول میں کمی کرنا، جھوٹ بولنا، بدعہدی کرنا۔ وعدہ خلافی کرنا۔ فعل زنا کا مرتکب ہونا وغیرہ کے متعلق مذہبی قانون موجود ہیں جس کے باعث بعض طبقے اس کے مضر اثرات سے بچے ہوئے ہیں لیکن جس طبقہ کے لوگوں کے پاس صاف اور صریح احکامات کے ساتھ مذہبی قانون نہیں ہے وہ اس کے نقصانات سے خود کو نہیں بچا سکے، اور اس لئے سوسائٹی کے لئے بھی یہ لوگ ایک دردِ سر بنے ہوئے ہیں۔ جو لوگ دین الٰہی کے تابع ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں تو وہ غیر مذہب والوں کی بہ نسبت اس کے مضر اثرات سے پوری سوسائٹی کو بچائے ہوئے ہیں۔ مثلاً دین الٰہی کے قانون کے مطابق بعض خوردنی اشیاء کے متعلق صاف اور صریح احکامات ہیں۔ کہ ان کا ذخیرہ اس نیت سے ہرگز نہ کیا جائے کہ ان اجناس کو اس وقت فروخت کیا جائے جب اس کی کمی محسوس ہو۔ اور اس کے لئے دام زیادہ مل سکیں۔

مذہب کی خاطر بعض اشیاء کی ترکِ تجارت و حصول منفعت سے گریز

چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ ان ممالک میں جہاں دین الٰہی کی فرمانبردار طرز کی حکومت نہیں ہے وہاں دین الٰہی کے تسلیم کرنے والے باشندگان اس

کی تجارت سے بچتے ہیں۔ اس خوف سے کہ مبادا وہ قانون الٰہی کی خلاف ورزی نہ کر بیٹھیں۔ چنانچہ اگر آپ ہندوستان کے شہروں کا جائزہ لیں گے تو یقیناً معلوم کریں گے کہ مسلم حضرات اس پیشۂ تجارت میں اپنی آبادی کے تناسب سے بہت کم ہیں بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں

عام تجارت پیشہ چونکہ قانون خالق کے مطیع نہیں ہیں اور نہ حکومت وقت کا قانون انہیں اس امر سے باز رکھتا ہے اس لئے نتیجہ میں شہری عوام اس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جبکہ خالق کا قانون صاف و صریح الفاظ میں قیمتوں کے بڑھ جانے کی امید میں غلہ کو روکے رکھنے کی سخت مخالفت کرتا ہے۔ لہٰذا اخلاقی حیثیت سے جو مذہب کے مخلص پیرو ہیں وہ اس نفع اندوزی کو جس سے مخلوق خدا کو تکلیف پہونچے برا سمجھتے ہیں اور ایسی تجارت سے باز رہتے ہیں۔ جبکہ وہ دوسرے جن کا تعلق مذہب سے نہیں ہے اور جن کے نزدیک مذہبی قانون کوئی حقیقت نہیں کھتا اور وہ حکومت کے بنائے ہوئے قانون کو بھی مختلف طریقہ سے توڑ کر اپنی تجارت جاری رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس تجارت کو منشاء الٰہی کے مطابق چلانے کے لئے حکومت کا قانون سخت ہونا چاہیئے۔ لہٰذا اس کی عدم موجودگی کے باعث ایک مسلم یہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ اناج کی تجارت میں روپیہ پھنساتا ہے اور خود اپنے ذخیرہ کو فروخت کر ڈالتا ہے جبکہ دوسرے لوگ اس انتظار میں ذخیرہ روک رکھتے ہیں کہ جب دام بڑھیں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

خالق کے نور کی مثال

خالق نے اپنے نور کی مثال کتاب الٰہی میں

یوں دی ہے کہ گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے اور چراغ قندیل میں ہے اور وہ قندیل ایسی صاف اور شفاف ہے گویا موتی جیسا چمکتا ہوا تارہ ہے۔ اور اس میں ایک مبارک درخت یعنی زیتون کا تیل جلایا جاتا ہے اور وہ درخت نہ مشرق میں دکھائی دیتا ہے نہ مغرب میں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تیل کو خواہ آگ نہ بھی چھوئے تب بھی جلنے کو تیار ہے اور روشنی پر روشنی دے رہا ہے اور یہی اللہ کا نور ہے۔ کہ وہ جس کو بھی چاہے دیدے۔

یہ ایک مثال ہے اگر ذرا غور فرمائیں تو اس مثال سے بجلی کا وجود ثابت ہوتا ہے جو اگرچہ کتاب الٰہی کی آمد کے وقت بجلی کا ظہور اور دریافت نہیں ہوئی تھی۔ لیکن ایسی مثال پیش فرمادی تھی کہ ہوبہو مان لینا پڑتا ہے کہ بجلی ہو سکتی ہے۔ مثلاً اگر ایک بند مکان میں بجلی کی مشین لگا دی جائے ظاہر ہے کہ باہر والوں کو اس کا علم ہونا ضروری نہیں اور کچھ زمیں دوز تار بجلی کے پھیلا دیئے جائیں اور جگہ جگہ بجلی کے قمقمے یعنی بلب اونچی اور نیچی جگہ پر لگا دیئے جائیں۔ مثلاً مکان کے طاق میں بھی اور پہاڑ کی چوٹی پر نصب کیے جائیں۔ اور آپ مرکز سے بٹن دبائیں تو وہ سب بلب روشن ہو جائیں گے اور خصوصاً آپ کے مکان کے طاق کے اندر کا بلب بھی جس پر شیشہ آویزاں ہے فوراً چمک اٹھے گا اور فوراً بلند مقام والا بلب بھی روشن ہو جائے گا اور یہ بلند مقام والا بلب دکھائی پڑے گا کہ گویا ایک تارا چمک رہا ہے۔ چونکہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس

کی روشنی کے لیے تیل کہاں سے آ رہا ہے۔ چونکہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ایسی ترقی ہوئی ہے کہ گھروں کی فیٹنگ بھی دیواروں کے اندر پیوست کر دی جاتی ہے اور صرف بلب دکھائی دیتا ہے جو بٹن دبانے سے فوراً روشن ہو جاتا ہے۔ کتاب الٰہی کی اس مثال سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دنیا میں کسی زمانہ میں بجلی کا وجود بھی آنے والا ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اللہ کے ہماری نظروں سے غائب ہونے کے باعث جسے ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں انسان یہ نہ سمجھے کہ وہ یا اس کے نور کا وجود نہیں ہے بلکہ جس طرح دنیا میں تمہاری ہی ایجاد کی ہوئی بعض چیزیں ایسی موجود ہیں کہ ہر شخص پر اس کا وجود آشکارا نہیں ہے۔ یعنی یہ کہ کہاں پر اس بجلی کا خزانہ ہے اور کہاں سے تار لگ کر اس قمقمہ کو روشن کر رہے ہیں تو خالق کا نور بھی اگر ہم سے پوشیدہ ہے تو اس کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اس زمانہ کی بعض اشیا کتاب کی پیش کردہ آیات کی تصدیق کر رہی ہیں

اسی طرح کتاب الٰہی بہت سی ان چیزوں کی خبر دے رہی ہے جن کا تصور یا وجود کچھ عرصہ قبل اس دنیا میں نہیں تھا۔ لیکن اس کا تذکرہ کتاب الٰہی میں کر دیا گیا تھا۔ مثلاً سورہ "کوّرت" یا "تکویر" (پارہ ۳۰) کے شروع کی آیات میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے اور جس میں مثالیں دی گئی ہیں ان سب کا ظہور اس وقت بذریعہ

سائنس ہوگیا ہے۔ میں ان میں سے دو ایک چیزوں پر یہاں اپنے خیال کے مطابق روشنی ڈالتا ہوں۔ غور فرمائیں وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ آج سے نصف صدی قبل اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے کہ کتاب الٰہی کے ان الفاظ کے کیا معنی ہیں کہ دریا گرم کر دیئے جائیں تو واقعی یہ نتیجہ اخذ نہ ہوتا کہ دریا بھی گرم کئے جاسکتے ہیں۔ مگر آج کی دنیا میں معمولی غور و فکر کرنے والا انسان بھی اس مسئلہ کو آسانی سے سمجھ لیتا ہے کہ جب وہ دریاؤں کے پانی کو روک کر ایک بلندی سے نیچے گراتا ہے تو اس دریا کی بلندی سے گرائے ہوئے پانی سے مشین حرکت میں آجاتی ہے اور ان مشینوں کے ذریعہ بجلی پیدا کی جاتی ہے ظاہر ہے کہ اس بجلی سے کسی بہتے ہوئے پانی کو بھی گرم کیا جاسکتا ہے

مثال کے طور پر اگر کسی دریا کے بہتے ہوئے پانی کے ایک جزو کو مثلاً ایک سو فٹ لمبان یا پچیس فٹ چوڑا ان میں بجلی کا تار نصب کر دیں تو جو پانی اس حصہ سے گزر کرے گا وہ گرم ہو جائے گا گویا وہ دریا جو سرد تھا اب گرم ہوگیا۔ اور جس میں اسی دریا سے بنی ہوئی بجلی کا کرنٹ اثر کر رہا ہے اور اس بجلی کے تاروں کی مدد سے اس گرم پانی کو اگر چاہیں تو کافی فاصلہ تک یا اس کے کسی بڑے سمندر میں داخل ہونے والی جگہ تک اسی گرمائی کے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ تقریباً تیرہ سو برس بعد کتاب الٰہی کی اس آیت کا مفہوم کھلا اس کتاب میں یہی اشارہ ہے کہ جب ایسا ہوگا تو وہ زمانہ قرب قیامت کا ہوگا۔ اسی طرح اس سورہ میں جتنے اشارات ہیں وہ صاف طور عیاں ہو رہے ہیں۔

مثلاً وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ جب بیانے والی اونٹنیاں بے کار ہو جائیں۔

چنانچہ آپ کو علم ہے کہ ایک سو برس قبل اونٹ سے باربرداری اور سواری کے جملہ کام عام طور سے لیے جاتے تھے۔ خصوصاً ریگستانی ممالک یا عرب جیسے خطہ میں جو صاحبان فریضہ حج وغیرہ کی ادائیگی کی غرض سے تشریف لے گئے ہیں۔ انھوں نے مکہ سے مدینہ کا سفر بھی اونٹ ہی پر کیا ہے۔ لیکن آج اس کی جگہ موٹر نے لے لی ہے۔ گویا دوسرے الفاظ میں اونٹنیاں بے کار ہو گئی ہیں۔ اسی طرح دوسری آیات پر غور کریں کہ جانوروں کے جمع کرنے کا عام رواج نہ تھا۔ سو برس قبل محض بادشاہ، روسا، چند جنگلی جانور، مثلاً شیر چیتا، چیتل وغیرہ شوقیہ پالتے تھے۔ لیکن آج کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں ہر قسم کے درندے، چرند وپرند، دریائی جانور حتیٰ کہ پیٹ کے بل رینگنے والے حشرات الارض نہ جمع کیے گئے ہوں اسی کا نام چڑیا خانہ رکھا گیا ہے۔

ان سب کا وجود کتاب الٰہی کی سورۃ سے ثابت ہے۔ کتاب الٰہی کی چودہ سو برس کی پیشین گوئیاں پوری ہو کر اس بات کا ثبوت پیش کر رہی ہیں کہ واقعی یہ کلام انسانی نہیں ہے بلکہ کلام ربانی ہے۔

اس مذکورہ بالا سورہ کی جملہ آیات تقریباً رونما ہو چکی ہیں۔ اور جو آیات ہماری سمجھ میں فی الحال نہیں آرہی ہیں۔ ممکن ہے چند سال بعد سائنس کے ذریعہ اس کا بھی ظہور ہو جائے اور اس وقت ہم سمجھ سکیں۔

کتاب دین الٰہی کی حفاظت کی ذمہ داری خود خالق نے اپنے سپرد کردی

دین اسلام کو مکمل کر دینے کے

بعد جو انسان کے لئے حق تعالےٰ کی جانب سے ایک نعمت ہے اور اسی پر وہ راضی ہیں اور ان کی خوشنودی کا باعث ہے۔ ایک ایسی کتاب دینے کے بعد یہ بھی ضرورت تھی کہ اس کتاب میں تغیر و تبدل، زمانے کے اتار چڑھاؤ کے باعث نہ ہونے پائے۔ چنانچہ خود حق تعالےٰ اپنے کلام معجز نما نظام میں ارشاد فرماتا ہے۔

"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ"

(سورہ حجر رکوع ۱۔)

ترجمہ۔ فرماتے ہیں کہ — "اس نصیحت کو ہم نے اتارا ہے اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

چنانچہ اس سے قبل جو کتب الٰہی اُتریں ان کے اسوقت کے پیروؤں اور نیز مابعد نے خصوصاً کچھ ترمیمات کر لیں جس کے باعث منشاء الٰہی کے خلاف دین پیش کرنے لگے۔ چنانچہ سیکڑوں خرابیاں رونما ہوگئیں اور یہی باعث دوسرے پیغمبروں کے بھیجے جانے کا بھی ہوا۔ اب چونکہ قرآن کریم آخری کتاب پیغمبر آخر الزمانؐ کی معرفت اتاری گئی۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ اس کی حفاظت اس طرح کی جائے کہ اب اس میں تغیر نہ ہو سکے۔ چنانچہ اسی زمانہ سے لوگوں نے پوری کتاب کو حفظ کرنا شروع کر دیا اور لاکھوں انسانوں نے اسے اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا۔ اب ہو سکتا تھا کہ یہ قرآن پوری طور سے انھیں یاد نہ رہتا۔ لہٰذا صحابہ کے زمانہ سے

یہ التزام ہوا کہ ماہ رمضان کے زمانہ میں حافظ لوگ مساجد میں سنا دیتے ہیں اور ان کے پیچھے جو حافظ سامع ہوتے ہیں وہ بھی سنتے ہیں کہ کہیں غلط نہ پڑھ دیا جائے۔ چنانچہ ایک زیر و زبر کی غلطی کو بھی فوراً بتا دیتے ہیں۔ اس طرح ہر سال لاکھوں انسان اسے سناتے ہیں۔ اور جب وہ سال میں ایک مرتبہ مسجد یعنی پبلک کے سامنے پڑھتے ہیں تو پھر سال بھر تک اس کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح اس کی حفاظت کر دی گئی کہ بھلایا نہ جا سکے۔ چنانچہ اس کی تصدیق غیر مسلم مؤرخوں نے کی ہے کہ دنیا میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے بچی رہی ہو۔ اس کی تشریح کے لئے ضروری تھا کہ پیغمبر آخر الزماں نے جو تشریح اس کلام کی فرمائی ہے۔ وہ بھی لوگوں کے سامنے آئی۔ چنانچہ وہ حدیث کی صورت میں دنیا میں موجود ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال مبارکہ جو امت کے لئے مشعلِ راہ ہیں قلمبند کر کے محفوظ کر لئے گئے

احادیث نبی آخر الزماں اور ان کا صحیح ہونا۔

جن حضرات نے حضور پر نور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کو بعد میں نقل کیا اور محفوظ کیا ان کی جانچ پڑتال اس طرح کی گئی کہ خود ان کی تاریخ جمع کی گئی کہ ان کا شمار کس طرح کے لوگوں میں تھا۔ وہ اسلام کے صحیح اور سچے فرزند تھے کہ نہیں؟ کبھی انھوں نے جھوٹ تو نہیں بولا؟ ان کی

باتوں کا دوسروں کی نگاہ میں کیا وزن تھا؟

نبی کے صحابہ نے احادیث جمع کیں اور حضور نے اس کے اتباع کا حکم دیا

اس طرح تقریباً ایک لاکھ انسانوں کی تاریخ قلمبند کی گئی اور ان کا نام اور پتہ صرف درج نہیں کیا، بلکہ جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا ہے اس طرح کے حالات لکھے گئے کہ جس سے امانت، خیانت، صدق اور کذب پر روشنی پڑ سکے۔ ان ایک لاکھ انسانوں میں تقریباً ۷ ہزار سے زائد کا شمار صحابہؓ میں سے تھا یعنی وہ حضرات جن کو حضور صلعم کی صحبت نصیب ہوئی تھی اور انہوں نے بذات خود حضور صلعم کے کلمات سنے تھے اور جن کے بارے میں حضور صلعم کے یہ الفاظ ہیں کہ

"اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ"

"میرے صحابہؓ ستاروں کی طرح ہیں۔ جس کی بھی تم اتباع کروگے ہدایت پا جاؤ گے۔"

اس کے بعد فرمایا۔

"عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّتِی الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ۔

یعنی "اپنے اوپر لازم کر لو میرے طریقے کو اور طریقہ خلفاء راشدین کو۔"

اس کے علاوہ خود قرآن کریم میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا متعدد مقامات پر ذکر آیا۔ یہاں طوالت کے خوف سے درج کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ صرف "مشتے از خروارے" کے مصداق نشاندہی کئے دیتا ہوں کہ اللہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے اپنے راضی ہونے کا اعلان اس طرح کتاب الٰہی میں کر دیا۔

"لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ
يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔

"قسم ہے کہ بیشک اللہ تعالےٰ راضی ہیں کہ ان صاحب ایمان لوگوں سے جو درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔"

ظاہر ہے وہ ہزاروں حضرات جو وہاں موجود تھے سب صحابہؓ کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور ان سب سے اللہ نے اپنی رضامندی کا اعلان کر دیا۔ لہٰذا جو احادیث ان حضرات کے ذریعہ آج دنیا کے سامنے ہیں اور جن کی تصدیق دنیاوی اعتبار سے بھی کافی جانچ پڑتال کے بعد کر لی گئی تھی غلط چیز پیش نہیں کر سکتے۔ وہ وہی چیز بے کم و کاست پیش کرتے ہیں جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں۔ لہٰذا قرآن جو کلام انسانی نہیں بلکہ کلام ربانی ہے۔ اس کے بعد حدیثیں جو ان لوگوں نے بیان کیں آج دنیا کے سامنے پیش ہیں کہ منشاء الٰہی کے مطابق انسان کو ہدایت پہونچا سکیں اور ان سے انکار کرنے والا سوائے بدنصیب کے اور کون ہو سکتا ہے کہ اس دین

سے انکار کرے۔ جو اس کی بہبودی اور خوشنودی کی خاطر اس کے خالق نے اس کے لئے تجویز کر دیا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار۔

دین خالق کی تعلیم کے مطابق سب انسان ایک دوسرے کے برابر ہیں

خالق نے اپنی انسانی مخلوق کو یکساں بنایا ہے۔ یعنی تخلیق اعضاء کے لحاظ سے بھی سب کو یکساں اعضاء عطا فرمائے ہیں۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ ان کے اثرات اور فوائد بھی یکساں ہیں۔ مثلاً ہاتھ اور پیر سے انسان کام لے سکتا ہے۔ آنکھوں اور کانوں سے دیکھ اور سن سکتا ہے۔ دماغ سے سوچنے اور سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اس لئے یہ بھی لازم ہو جاتا ہے کہ وہ خود کو ایک دوسرے سے برتر نہ سمجھے چونکہ دوسرا وہ سب خوبیاں رکھتا ہے جو اس کے پاس موجود ہیں۔ اور یہی منشاء الٰہی بھی ہے۔ لیکن ہم اس کے برعکس عمل کر رہے ہیں۔

مثال کے طور پر آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے ملک میں جب ہمارا کوئی جانور مر جاتا ہے جس سے ہم دودھ اور گھی فراہم کرتے ہیں۔ اور جن سے ہم کھیتی باڑی اور سواری کا کام بھی لیتے ہیں۔ اس کے مرنے کے بعد ہم اسے اس قدر نجس سمجھتے ہیں کہ اسے اس کی جگہ سے اپنے ہاتھوں سے

اس کے علاوہ خود قرآن کریم میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا متعدد مقامات پر ذکر آیا۔ یہاں طوالت کے خوف سے درج کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ صرف "مشتے از خروارے" کے مصداق نشاندہی کیے دیتا ہوں کہ اللہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے اپنے راضی ہونے کا اعلان اس طرح کتاب الٰہی میں کر دیا۔

"لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔

"قسم ہے کہ بیشک اللہ تعالے راضی ہیں کہ ان صاحب ایمان لوگوں سے جو درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔"

ظاہر ہے وہ ہزاروں حضرات جو وہاں موجود تھے سب صحابہؓ کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور ان سب سے اللہ نے اپنی رضامندی کا اعلان کر دیا۔ لہٰذا جو احادیث ان حضرات کے ذریعہ آج دنیا کے سامنے ہیں اور جن کی تصدیق دنیاوی اعتبار سے بھی کافی جانچ پڑتال کے بعد کر لی گئی تھی غلط چیز پیش نہیں کر سکتے۔ وہ وہی چیز بے کم و کاست پیش کرتے ہیں جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں۔ لہٰذا قرآن جو کلام انسانی نہیں بلکہ کلام ربانی ہے۔ اس کے بعد حدیثیں جو ان لوگوں نے بیان کیں آج دنیا کے سامنے پیش ہیں کہ منشاء الٰہی کے مطابق انسان کو ہدایت پہونچا سکیں اور ان سے انکار کرنے والا سوائے بدنصیب کے اور کون ہو سکتا ہے کہ اس دین

سے انکار کرے۔ جو اس کی بہبودی اور خوشنودی کی خاطر اس کے خالق نے اس کے لئے تجویز کر دیا ہے۔ فاعْتَبِرُوا یا اولی الاَبصار۔

دین خالق کی تعلیم کے مطابق سب انسان ایک دوسرے کے برابر ہیں

خالق نے اپنی انسانی مخلوق کو یکساں بنایا ہے۔ یعنی تخلیق اعضا کے لحاظ سے بھی سب کو یکساں اعضا عطا فرمائے ہیں۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ ان کے اثرات اور فوائد بھی یکساں ہیں۔ مثلاً ہاتھ اور پیر سے انسان کام لے سکتا ہے۔ آنکھوں اور کانوں سے دیکھ اور سن سکتا ہے۔ دماغ سے سوچنے اور سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اس لئے یہ بھی لازم ہو جاتا ہے کہ وہ خود کو ایک دوسرے سے برتر نہ سمجھے چونکہ دوسرا وہ سب خوبیاں رکھتا ہے جو اس کے پاس موجود ہیں۔ اور یہی منشاء الٰہی بھی ہے۔ لیکن ہم اس کے برعکس عمل کر رہے ہیں۔

مثال کے طور پر آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے ملک میں جب ہمارا کوئی جانور مر جاتا ہے جس سے ہم دودھ اور گھی فراہم کرتے ہیں۔ اور جن سے ہم کھیتی باڑی اور سواری کا کام بھی لیتے ہیں۔ اس کے مرنے کے بعد ہم اسے اس قدر نجس سمجھتے ہیں کہ اسے اس کی جگہ سے اپنے ہاتھوں سے

علیحدہ کرنا پسند نہیں کرتے بلکہ ہم نے اس کام کے لئے ایک خاص فرقہ کو مقرر کر رکھا ہے اور جب وہ ہماری خاطر انجام دے لیتا ہے تو بجائے اس کے کہ اس کی قدر کرتے ہم میں سے بعض اس سے چھوت چھات کرتے ہیں اسے اپنے عبادت خانہ میں بھی عبادت کرنے سے روک دیتے ہیں۔ اب ذرا اس کے برعکس دین خالق پر نظر ڈالئے کہ وہ اس بارے میں کیا حکم دیتا ہے کہ میری فرمانبرداری کے بعد وہ کل انسان حتیٰ کہ مہتر کا کام کرنے والے بھی برابر ہیں بلکہ ان میں سے وہ انسان زیادہ بہتر ہے جو زیادہ پرہیزگار یا دین الٰہی کا زیادہ متبع ہے۔ اب رہا دولت کے لحاظ سے بڑا چھوٹا ہونا یہ ایک علیحدہ بات ہے۔ اگرچہ مال و دولت حاصل کرنے میں کچھ دخل انسان کی ذاتی صفات عقل و ہنر کے باعث بھی ہے لیکن درحقیقت دولت کی تقسیم خالق نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ ہمارے بعض کروڑپتی کسی کالج یا اسکول کے تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔ اس کے برعکس ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان مفلس اور نادار ہے اور دولت حاصل کرنے میں اس کی عقل و تمیز کچھ کام نہیں آتی۔ لیکن خالق نے ایک دوسرے کی مالی کمی کو ایک دوسرے کو دینے کا حکم دے کر اس کی ضرورت کو پوری کرایا ہے۔ یعنی جس کے پاس زائد ہے اس سے دوسرے کو دلوا کر دوسرے کی کمی کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔

جو انسان دوسرے کو دیتا ہے اسے حکم ہے کہ وہ اپنے اس عطیہ کو

اس پر بطور احسان نہ سمجھے بلکہ اطاعت خالق سمجھے۔ اس کا حکم سمجھ کر اسے دے وہ اس کا کچھ اس سے بدل نہ چاہے۔

آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ حکومتیں انکم ٹیکس حاصل کرکے عوام کی بہتری کے کام کرنے پر مجبور ہیں۔ غرض یہ کہ اگر آپ قانون الٰہی کو بذریعہ پیغمبر تسلیم نہ کریں گے تو آج نہیں تو کل آپ کسی نہ کسی طرح اسے قبول کرنے پہ مجبور ہوں گے۔ جیسا کہ حکومتیں بعض قانون بنا کر حکم جاری کر رہی ہیں۔ لیکن یہ طریقہ جبر انسان کے لئے مناسب نہیں ہے۔ چونکہ حکومت کے قانون کے نافذ ہونے کے بعد انسان سینکڑوں تدابیر حکومت کے حکم سے بچنے کے لئے اختیار کرتا ہے۔ لہٰذا مناسب ہے کہ خالق کا حکم ہی تسلیم کیا جائے۔ جس کا منشا سوسائٹی کا نکھار اور اس کو مذہبی حیثیت سے تربیت دے کر منشاء الٰہی کو تسلیم کرانا ہے۔ اس طرح انسان میں قانون کی خلاف ورزی کا جذبہ نہیں پیدا ہوتا بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ قانون میری بہتری کی خاطر خالق نے تجویز کیا ہے اور اس پر عمل کرنے سے وہ آخری جگہ یعنی باغات جنت کا مالک ہو جائے گا۔ اور دنیا کی قید سے رہائی پا جائے گا۔

سطور ذیل میں مختصر طور پر دو ایک ایسی آیات کلام الٰہی کی پیش کی جا رہی ہیں جن کی تصدیق اس ترقی یافتہ سائنس کے دور میں ہو کر منظر عام پہ آ چکی ہے۔ ایک آیت ملاحظہ فرمائیے۔

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی ط اَلَمْ
یَکُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی۔ ....

. . . . اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ
عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی ○

"کیا انسان خیال کرتا ہے کہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا۔ ؟
کیا وہ منی کا جو رحم میں ڈالی جاتی ہے ایک قطرہ نہ تھا۔ ؟
پھر لوتھڑا ہوا۔ پھر (خدا نے) اس کو بنایا۔ پھر اس کے
اعضار کو) درست کیا۔ پھر اس کی دو قسمیں بنائیں (ایک)
مرد اور (ایک) عورت۔ کیا اس کو اس بات پہ قدرت
نہیں کہ مردوں کو جلا اٹھائے۔"

آپ کو اس آیت کے لفظ "منیٰ" پہ غور کرنا ہے۔ جسکے معنی ٹپکایا جانا۔ ڈالا جانا۔ فی زمانہ منی کو رحم مادر میں بذریعہ پچکاری داخل کیا جاتا ہے۔ خالقِ کائنات اس امر سے بخوبی واقف تھا کہ ایک دور ایسا آئے گا کہ منی کو رحم مادر میں بذریعۂ پچکاری داخل کیا جائے گا۔ اور اس سے اولاد پیدا ہو سکے گی۔ لہٰذا سائنس نے آج کتاب خالق کے اس لفظ "منیٰ" کی تصدیق کر دی کہ انسانی رحم اور خصوصًا جانوروں کے رحم میں بذریعہ پچکاری منی داخل کرتے ہیں اور بچہ صحیح و سالم پیدا ہوتا ہے۔

کتاب خالق سے اخذ کئے ہوئے طریقہ پر منی کے داخل کرنے سے خواہ وہ نر اور مادہ کے ملنے سے داخل ہو یا بذریعہ پچکاری جو اولاد پیدا ہوگی اس اولاد کا خالق انسان کو نہیں قرار دیا جا سکتا۔ بلکہ خالق وہی سمجھا جائے گا جس نے ایسے اجزار منی پیدا کئے جو جان رکھتے ہیں اور جن اجزار کو آج تک سائنسداں

نہ بنا سکا کہ ایسا مادّہ تیار کر دیتا جو جاندار ہوتا۔ لہٰذا لازم آتا ہے کہ جو اولاد خواہ مرد و عورت کے ملنے سے ہو یا بذریعہ پچکاری منی رحم مادر میں داخل کرنے سے، وہ سب خالق کے حکم سے ہی سمجھی جائے گی۔

کتاب الٰہی کے لفظ بٹکائے جانے پر غور فرمائیے کہ کیا کتاب الٰہی کی یہ آیت اس درجہ کی نہیں ہے کہ انسان اس کتاب کو کتاب الٰہی ہونے کا یقین کر لے اور یہ بھی تسلیم کر لے کہ اس کتاب میں انسانی بہبودی اور بہتری کے لئے ہزاروں آیات اس کے مفاد کی غرض سے بھیجی گئی ہیں۔ لیکن افسوس انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اس کی زندگی کے بعد کوئی دوسری ایسی زندگی آنے والی نہیں ہے کہ جس میں اس کی نافرمانی اور عدم عمل کے باعث خود کردہ غلطیوں کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑے گا۔ لیکن اس نے محض یہ سمجھ رکھا ہے کہ اس کے خاکی جسم کو آگ کے نذر کر دینے سے اور اس کی خاک کو پانی میں بہا دینے کے بعد جملہ معاملات ختم ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اس ترقی شدہ دور میں سائنس نے بھی ثابت کر دیا ہے کہ اس کی لیباریٹری (Laboratory) میں ایک مشترک اجزا سے بنی ہوئی شئی کے کل اجزاء علاحدہ کئے جا سکتے ہیں۔ اور اس طرح ان سب اجزاء کو اسی طرح دوبارہ ملایا بھی جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر صرف دودھ کو لیجئے اس میں کتنا پانی ہے کتنا مکھن ہے اور کتنے کتنے دوسرے اجزاء ہیں اور اس طرح سے کیا پھر اس کی ہڈیوں اور گوشت کے اجزاء کو ایک جگہ جمع نہیں کیا جا سکتا جب کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس کا خالق اسے ایک بوند سے

بشکل انسانی پیدا کر چکا ہے۔ آج بھی بہت سی باتیں ہر کس و ناکس کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ مثال کے طور پہ ایک ریڈیو اور گراموفون کی آواز یہ ہی غور فرمایئے۔ لیکن ایک سائنسدان یا اس کا بنانے والا اس کے راز سے بخوبی واقف ہے۔

اے لوگو! حق بات کے قبول کرنے میں جلدی کرو قبل اس کے کہ تمہاری ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے پیوست ہو جائے۔ اور تمہاری جان نکلنے والی ہو۔ لیکن افسوس انسان تو اس قدر ناعاقبت اندیش ہے کہ جان کنی کی حالت میں بھی اپنے مریض کی صحت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ جان کنی کے مریض کو انجکشن پر انجکشن لگواتا ہے تاکہ کسی طرح اس کی جانکنی کی کیفیت دور ہو کر افاقہ ہو جائے۔ یہاں تک کہ جب وہ ہر طرح کے علاج سے مایوس ہو جاتا ہے تو عملیات کراتا ہے۔ کہ جھاڑ پھونک سے یا کسی طرح سے جان بچ جائے۔

کاش! انسان غور کرتا کہ آج نہیں تو کل وہ یقیناً باوجود علاج معالجہ اور جھاڑ پھونک کے اس دنیا سے رخصت ہوگا۔ اس لئے اس دنیا سے رخصت ہونے سے قبل ایسے دین یا طریق حق کو اختیار کر کے عمل کرے کہ جس کے بعد خالق کا وعدہ ہے کہ فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى۔ جس نے ہدایات پر جو اللہ کی جانب سے آئیں گی، اتباع کیا وہ نہ تو گمراہ ہوگا اور نہ بدبختی میں پڑے گا۔ علاوہ بریں اسی جگہ میں داخل کر دیا جائے گا۔ جہاں سے ہٹایا گیا تھا۔ اسے یہ بات

ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ کتاب الٰہی جو دین پیش کر رہی ہے وہ کسی خاص فرقہ کی ملکیت نہیں ہے صرف اس کے قبول کرنے والے اور اس پر عمل کرنے والے کو اس کا صحیح وارث سمجھنا چاہیئے۔ وہی مسلم کہلانے کا مستحق ہے۔ جس کے معنی فرمانبردار کے ہیں۔ لہٰذا ایسی کتاب الٰہی کو جس کا ثبوت اس کتاب کا ہر لفظ دے رہا ہے کیوں نہیں قبول فرماتے اور جو کسی کی ملکیت بھی نہیں ہے۔ اور جس کا کتاب منجانب خالق ہونا ثابت بھی ہو چکا ہے۔ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلَاغ۔ یعنی "ہم پر ایسے لوگوں تک پہونچا دینا فرض ہے۔"

ہم داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے ہیں۔ چونکہ دین کے متعلق جو الفاظ کتاب الٰہی میں پیش کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ دین میں سختی نہیں ہے۔ یعنی تم کسی کو مجبور نہیں کر سکتے۔ جب تک وہ ہم سے دین کے معاملہ میں از خود جنگ ہی نہ کرنے لگے۔ بلکہ یہ نصیحت کی گئی ہے کہ اُدْعُوْا اِلٰی سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ جس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے رب کی جانب حکمت اور اچھی نصیحت کر کے دعوت دو۔ لہٰذا ہمارا طریقہ یہی ہونا چاہئے کہ ایک مرتبہ پیغام حق سب کو پہنچا دیں۔ تسلیم کرنا یا نہ کرنا خود ان کا کام ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر عقلمند انسان اس دین سے آگاہ ہونے کے بعد فوراً قبول کرے گا۔ اسی مقصد سے یہ کتابچہ پیش کیا جا رہا ہے۔

اب خالق کی جانب سے پیش کردہ طریقۂ عبادت پر غور فرمایئے۔ منجملہ دیگر فرائض کے نماز بھی عبادت کا ایک جزو ہے۔ اس کی کیا ترکیب

اور کیا منشا ہے۔ یہ سب کچھ قابل غور ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمایئے نماز میں سب سے پہلے انسان اپنی زبان سے یہ لفظ کہتا ہے کہ میں ارادہ کرتا ہوں دو یا چار رکعت نماز کا خالص اللہ کے واسطے اور اپنا منھ اس ایک ہی قبلہ کی جانب کرتا ہوں جس کی جانب دنیا کے، دین الٰہی کے کل فرمانبردار عبادت کے وقت رخ کرتے ہیں۔ اس کے بعد انسان اپنے دونوں ہاتھ اپنے کانوں تک بلند کر کے اللہ اکبر کہتا ہے

مقصد ہاتھ بلند کرنے کا یہ ہے کہ ہاتھ کے اشارہ سے بھی ظاہر کر دے کہ خدا ہی بڑا ہے۔ اس کے بعد ہاتھوں کو باندھ لیتا ہے یعنی دست بستہ کھڑا ہو کر اپنے خالق کی ثنا اور توصیف بیان کر کے غیر اللہ کی نفی کرتا ہے اس کے بعد قیام ہی کی حالت میں کتاب الٰہی کی پہلی سورت پڑھتا ہے۔ یہ ایک مختصر سورت ہے۔ لیکن اس میں کلام کی ابتداء، اس کے رحیم اور کریم ہونے اور مالک یوم قیامت کا اقرار کرتا ہے۔ اس کے بعد دعا کرتا ہے کہ تجھی سے مدد چاہتا ہوں اور تیری ہی عبادت کرتا ہوں۔ اس کے بعد کتاب الٰہی کی کوئی دوسری سورت تلاوت کرتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے (سورۂ والعصر) کہ ہر انسان خسارہ میں رہے گا۔ صرف وہی بچ سکیں گے جو اللہ پر ایمان لائے۔ اور اعمال صالح بھی کرتے ہیں۔ اور دوسروں کو حق بات کی تاکید کرتے ہیں۔ و نیز صبر کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد لفظ اللہ اکبر یعنی اللہ بڑا ہے کہہ کر نیازمندانہ جھک جاتا ہے اور سبحان

ربی العظیم یعنی اللہ پاک ہے اور سب سے بڑا ہے۔ چند بار زبان سے کہہ کر سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور کہتا ہے "اللہ نے وہ سب سن لیا جو بھی میں نے تعریف کی ہے اور کل تعریف اسی کے لیے ہے۔ اور اس کے بعد دوبارہ اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں جاتا ہے۔ یعنی اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک کر اپنی پیشانی کو زمین پر رکھتا ہے۔ تصور یہ ہوتا ہے کہ میں بندۂ عاجز ہوں پیشانی زمین پر رگڑ رہا ہوں اور اللہ ہی سب سے برتر اور اعلیٰ ہے۔ اللہ پاک اور سب سے بڑا ہے۔ اسی طرح آخر میں قعدہ یعنی دونوں زانو بیٹھ کر کہتا ہے کہ جملہ مالی اور بدنی عبادت اللہ ہی کے لئے ہے۔ اس کے بعد دعا یا الفاظ پیغمبر آخر الزماں اور خود اپنے لئے کہتا ہے کہ اللہ کی رحمتیں اور برکات ان پر ہوں کہ چونکہ انھیں کے ذریعہ سے اسے خالق کے تجویز کردہ صحیح طریقہ پر گامزن رہنے کی توفیق ہوئی ہے۔ اور آخر میں اللہ کے کل نیک بندوں کے لئے سلامتی کی دعا کرتا ہے اور گواہ بنتا ہے کہ اللہ ایک ہے اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ اس کے بعد نماز سے فارغ ہو جاتا ہے۔

اگر آپ اسی طریقہ عبادت جس کو نماز کہتے ہیں جائزہ لیں گے تو مطمئن ہو جائیں گے کہ واقعی اس طرح عبادت کرنے سے انسان کسی شرک کا مرتکب نہیں ہوتا۔ اور اپنے خالق کی کما حقہٗ عبادت کر کے اپنا حق عبدیت پورا کرتا ہے۔ اور اس طرح اپنے اور دنیا کے دوسرے انسانوں کے لئے پیام مسرت کا باعث بنتا ہے۔

کتاب الٰہی میں جہاں مختلف قسم کے خزانے موجود ہیں، وہاں وہ علم افلاک اور علم ہیئت کو بھی اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ اس پر متعدد مضامین کتاب میں موجود ہیں۔ ان سب پر روشنی ڈالنے کے لئے ایک علاحدہ کتاب درکار ہے۔ اس وقت ہم ان میں سے بعض آیات کے مضامین پر روشنی ڈال کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان آیات میں جو مضامین ہیں ان کا ثبوت آج کل کی سائنس نے پیش کر دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے

آج کل کی سائنس کہتی ہے کہ زمین مرکز کے علاوہ بھی چل رہی ہے۔ یعنی بڑے سیارہ کے گرد گھوم رہی ہے۔ اس سلسلہ میں کتاب الٰہی کی مختصر آیت پہ غور فرمائیے۔ بعض سیاروں کا ذکر کرتے ہوئے جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ یہ ہیں۔

"خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ . . .

. . . . . . لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ط (سورہ زمر ۳۹، آیت ۵)

اسی نے آسمانوں اور زمین کو تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ (اور وہی رات کو دن پر لپیٹتا اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور سورج اور چاند کو بس میں کر رکھا ہے۔ سب ایک وقت مقررہ تک چلتے رہیں گے۔"

اس آسمان اور زمین کو تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ اور وہی رات کو دن پر پلٹتا ہے۔ اور دن کو رات پہ اور اسی نے سورج اور چاند کو بس میں کر رکھا ہے۔ سب ایک وقت مقررہ تک چلتے رہیں گے۔

اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ زمین بھی گردش کر رہی ہے اور اسی کے باعث رات اور دن ہو رہے ہیں۔ یعنی سائنس نے بھی اس

بیان کی تائید کر دی اور اس سے ثابت ہوا کہ واقعی یہ کلام الٰہی ہے۔ چونکہ علم سائنس آنے سے پیشتر اس طرح کی کامل تحقیق نہیں تھی۔ اب ذرا سائنس کے دوسرے نظریہ پر بھی غور فرمائیے۔ جس میں کہا گیا ہے زمین سورج کا ایک جزو تھی جو اب علاحدہ شکل میں دکھائی دیتی ہے۔ اس سلسلہ میں کتاب الٰہی کی آیت ملاحظہ فرمائیے۔

اَوَ لَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا۔

(سورہ انبیاء رکوع ۳ — آیت ۳۰)

ترجمہ۔ "کیا انکار کرنے والوں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین ملے ہوئے تھے اور ہم نے جدا جدا کر دیا۔"

یعنی جتنے بھی سیارہ ہیں وہ آسمان کے جزو ہیں یعنی زمین بھی اسی میں شامل تھی۔ اسی کا ایک جزو سورج اور زمین بھی ہے۔ ان سب کو علیٰحدہ علیٰحدہ کر دیا۔ یعنی ایک کو دوسرے سے جدا کر دیا۔ اور ان کے نام تجویز ہو گئے کسی کو سورج کے نام سے پکارا، کسی کو زمین کے نام سے چنانچہ موجودہ سائنس کا یہ دعویٰ ہے کہ زمین سورج کا ایک جزو ہے۔

کتاب الٰہی کے دوسرے مضامین میں غور فرمائیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ کتاب الٰہی میں یوں درج ہے کہ ان کو جب دشمنان دین نے قتل کرنا چاہا تو انھیں قتل نہ کر سکے بلکہ ایک دوسرے شخص کو جو ان کی شبیہ کا تھا قتل کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السّلام کو اپنی جانب

اٹھایا۔ یعنی آسمان کی جانب۔ ہو سکتا ہے وہاں ایسے مقام عالی پہ انھیں رکھا گیا ہو جو انسان کی پہونچ کیلئے ایک عالی مقام ہو سکتا ہے۔

اسلامی ~~کتاب الٰہی کے~~ عقیدہ کی بنا پہ وہ قرب قیامت میں دوبارہ اس دنیا میں بھیجے جائیں گے۔ موجودہ عیسائی حضرات اس بات پہ شبہ کرتے ہیں کہ وہ زندہ کیوں کر اٹھائے گئے۔ اور اب تک وہ کس طرح زندہ رہ سکتے ہیں جبکہ آج کے دور میں ہوابازوں کا آسمان کی فضا میں بھیجنا اور وہاں کئی کئی یوم تک زندہ رہ کر زمین پہ واپس آنا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ واقعی کتاب الٰہی کی یہ خبر صحیح ہے کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان پہ زندہ اٹھا لیے گئے اور وہاں زندہ اور صحیح سلامت ہیں۔

آج کی دنیا کا انسان ان حالات پہ کس طرح شبہ کر سکتا ہے جبکہ وہ خود کبھی کئی روز تک فضا میں زندہ رہ کر واپس آ سکتا ہے۔ چنانچہ بجنسہ اسی طرح کتاب الٰہی کے عقیدہ کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کا دنیا میں واپس آنا ممکن ہے۔ لہٰذا لازم آتا ہے کہ عیسائی دنیا اب پیغمبر آخر الزماں پر ایمان لے آئے۔ چونکہ یہ کتاب حضرت عیسیٰ کی آمد کی خبر دے رہی ہے اور ان کا آسمان کی فضا پہ رہنے کی تصدیق کر رہا ہے۔ یہ تصدیق مزید طور پہ اس کتاب کے کتاب الٰہی ہونے کی دلیل ہے۔ لہٰذا کتاب الٰہی جو ان کل خزانوں اور معلومات کی حامل ہے کل انسانوں کے لئے پیام حق ہے۔ اور اس کا پیش کردہ دین یا طریقہ جملہ انسانوں کے حسب حال ہے اور

یہی طریقہ خالق کو پسند بھی ہے

عیسائی دنیا کے لئے اتمام حجت کے طور پر اس میں ایک مکالمہ بھی درج ہے جو حضرت عیسیٰؑ اور ان کے خالق کے درمیان ہوا ہے وہ بھی قابل غور ہے۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ
قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط . . . .
. . . . لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ط (سورۃ ~~الانعام~~ رکوع ۶) المائدہ

ترجمہ۔ اور (اس وقت کو بھی یاد رکھو) جب خدا فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ خدا کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو؟ ۱ وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے مجھے کب شایاں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھ کو معلوم ہوگا (کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے ضمیر میں ہے اسے میں نہیں جانتا۔ بے شک تو علام الغیوب ہے۔ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا بجز اس کے

جس کا تو نے مجھے حکم دیا ہے وہ یہ کہ تم خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے۔ اور جب تک میں ان میں رہا ان کے حالات کی خبر رکھتا رہا۔ جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھا لیا تو تو ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز سے خبردار ہے۔ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں۔ اور اگر بخش دے تو تیری مہربانی ہے) بے شک تو غالب (اور) حکمت والا ہے۔ خدا فرمائے گا کہ آج وہ دن ہے کہ راستبازوں کو ان کی سچائی ہی فائدہ دے گی۔ ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ ابدالآباد ان میں بستے رہیں گے۔ خدا ان سے خوش ہے۔ اور وہ خدا سے خوش ہیں۔ یہ بڑی کامیابی ہے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان (دونوں) میں ہے سب پر خدا ہی کی بادشاہی ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

یہ کتاب الٰہی جس کی تصدیق آج روز روشن کی طرح ہو چکی ہے۔ اس معاملہ کو یوں پیش کر رہی کہ خالق نے کہا کہ عیسیٰ تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنا لو۔ جواب دیا کہ آپ کی ذات پاک ہے۔ میں وہ بات زبان پر کیوں کر لا سکتا تھا جس کا حق بھی مجھے نہیں دیا گیا۔ اگر میں نے کچھ کہا ہے تو آپ اس سے خوب واقف ہیں۔ چونکہ آپ تو میرے دل کے بھید سے واقف ہیں۔ لیکن میں آپ کے بھید سے واقف نہیں

نہیں ہوں میں نے تو صرف اس قدر کہا تھا۔ جس قدر آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ اے لوگو! اپنے اور میرے رب کی عبادت کرو اور جب تک میں ان کے درمیان رہا میں ان کے حالات کی خبر رکھتا رہا۔ اور جب آپ نے مجھے دنیا سے اٹھا لیا تو آپ خود ان کے نگراں تھے۔ اور آپ ہر چیز سے خبردار ہیں۔ اس کے بعد امت کے لئے دعائیہ الفاظ کہے کہ اگر آپ ان لوگوں کو عذاب دیں تو یہ آپ کے بندے ہی ہیں۔ اور اگر آپ معاف فرما دیں تو آپ غالب حکمت والے ہیں۔ جو جواب خالق نے دیا وہ قابل عبرت ہے۔ فرمایا کہ آج کے روز تو صرف راست بازوں کو ہی ان کی سچائی فائدہ پہنچائے گی اور انہی کے لئے جنت کے باغات ہیں۔ جن میں نہریں بہہ رہی ہیں اور وہ ابدالآباد تک اس میں بستے رہیں گے۔ اور خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش رہیں گے۔ یہی ایک بڑی کامیابی ہے۔ آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پہ اللہ ہی کی بادشاہی ہے۔ اور وہ ہر چیز پہ قدرت رکھتا ہے۔ یہ مضمون اس قدر صاف اور صریح ہے کہ جس پہ کسی مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔

جبکہ اس کتاب کا "کتاب الٰہی" ہونا ثابت ہو چکا ہے چونکہ سائنس نے بھی اس کتاب کی بیشتر چیزوں کی تصدیق کر دی ہے۔ لہٰذا اب جو کوئی بھی خواہ یہودی ہو یا عیسائی جو اس پہ عمل نہ کرے تو اس کے لئے سخت وعید کی گئی ہے۔ خصوصاً عیسائی حضرات کے لئے یہ مکالمہ قابل غور ہے۔ میں

اسے بیت اللحم اور بیت المقدس کے پادری صاحب کو سنا چکا ہوں۔ بیت المقدس اردن میں ہے اور اس کو بیت المقدس کے گرجا گھر کے پوپ کے روبرو پڑھ کر سنا چکا ہوں اور آج تحریر کے ذریعہ پیش کر رہا ...... ہوں۔

انسان یہ بھی کہتا ہے کہ اگر خالق چاہتا تو ہم غیر اللہ کی پرستش نہ کرتے اور سبھی ایک طریقہ یا مذہب اختیار کر لیتے۔ ہم سطور بالا میں صاف اور صریح طور پر عرض کر چکے ہیں کہ انسان کو عقل و تمیز، خیر اور شر اختیار کرنے یا اس سے بچنے کے لئے عطا فرمادی ہے اور اس کے بعد تقریباً ہر فرقہ یا جماعت کے لئے ایک پیغمبر بھیجا کہ اس ایک ہی خالق کی عبادت کی جائے اور اس کے احکام کی تعمیل کی جائے۔ اور ان پیغمبروں سے یہ عہد لیا کہ اگر ان کے زمانہ میں بھی کوئی دوسرا پیغمبر آجائے تو اسی کی شریعت اور طریقہ اختیار کر لینا۔ ظاہر ہے جب پیغمبروں سے یہ وعدہ لیا جا رہا ہے تو ان کی امت جو ان پر ایمان لائی ہے اس کا بھی فرض یہی ہے کہ جب کبھی بھی اسے اس بات کا علم ہو کہ اللہ کا دوسرا رسول آگیا ہے۔ اس کے متعلق معلومات حاصل کر کے اس آنے والے کی تصدیق کریں اور اس کی پیروی شروع کر دیں۔ اور یہی وعدہ انسان کے جدامجد یعنی دنیا میں آنے والے پہلے انسان سے لیا گیا تھا کہ دنیا میں جب تمہارے پاس میری جانب سے احکامات آتے رہیں تم نے اگر ان کی پیروی کی تو پھر تمہارے لئے کسی خوف اور خطر کی

ضرورت نہیں ہے بشرطیکہ تم ان پر عمل کرتے رہو تو اس دنیاوی زندگی کے بعد تم اپنے اصلی مقام یعنی جنت کے ان باغات میں جہاں سے تم اس دنیا میں بھیجے گئے تھے پھر واپس بلا لئے جاؤ گے اور تمہاری اس دنیا کی فرمانبرداری کی زندگی تمہاری اس درجہ روحانی اصلاح کر دے گی کہ تم اس جگہ کے لئے جہاں سے تم نکالے گئے تھے رہنے کے قابل ہو جاؤ گے۔ مثال کے طور پر جس طرح سے اس دنیا میں جب کبھی کسی انسان سے کچھ غلطیاں سرزد ہونے کے باعث دنیا کے جیل خانہ میں رہ کر کچھ دن گزارنا پڑتے ہیں۔ اور اس کے بعد پھر اسے برابری کے حقوق حاصل ہو جاتے ہیں اور وہ دنیا کے جملہ فوائد اسی طرح حاصل کرنے لگتا ہے جس طرح کہ کوئی دوسرا شخص جس کو سزا نہیں دی گئی ہے۔ اسی طرح ہماری اس دنیاوی زندگی کے بعد، جو کہ حقیقت میں ایک جیل خانہ ہے۔ چونکہ ہمارا اصلی مسکن تو جنت کے باغات تھے شیطان کے بہکانے کے باعث ہم ان باغات سے علیحدہ کئے گئے۔ چونکہ ہم نے شجر ممنوعہ کے پھل کھا کر خود میں وہ کیفیات پیدا کر لیں جو اس جنت جیسی جگہ کے لئے موزوں اور مناسب نہ تھی۔ یعنی انسان کی مختلف قسم کی حاجات اور جس کے بعد موت کا آنا بھی لازمی ہو گیا۔ چونکہ ہر جاندار کے لئے ایک زمانہ کے بعد موت کا آنا لازمی ہے۔ اس بنا پر ہمیں اپنی زندگی کے پورے دن اس دنیا میں گزارنے ہیں۔ اس زمانہ میں اگر ہم نے نافرمانی نہ کی اور شیطان لعین کے بہکانے میں نہ آئے جو اس دنیا کی جانب ہماری طرح دنیا سے

علیحدہ کیا گیا اور جیسے ڈھیل دی گئی اور وہ ہر وقت ہمیں بھٹکاتا رہتا ہے خواہ ہمارے مذہبی معاملات ہوں یا دنیاوی معاملات لیکن جو لوگ اپنے رب کے ساتھ وعدہ کو یاد رکھتے ہیں کہ وہاں کی آئی ہوئی ہدایات جو پیغمبروں کے ذریعہ ہمیں ملی ہیں پیروی کرتے ہیں وہ انشاء اللہ بھٹکانے میں نہ آئیں گے اور لازمی طور پر اصلی جگہ انشاء اللہ واپس پہنچ جائیں گے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ پیغمبر کون سی ایسی چیز لائے ہیں جو ہمارے لئے غیر مفید ہے یا نقصان دہ ہے کہ جس کو اگر ہم نے قبول کر لیا تو ہماری زندگی اکارت ہو جائے گی۔ بس صرف یہی قابل غور ہے۔

ان احکامات پر ایک نظر ڈال لینا تو بہت ہی آسان اور سہل ہے کہ ہم پیغمبر آخر الزمانؐ کے لائے ہوئے طریقہ کا مطالعہ کریں اور اگر ان کی شریعت میں کوئی چیز ایسی نہیں ملتی ہے جس کے تسلیم کرنے سے انسانی مفاد خطرہ میں پڑ جائے تو پھر کوئی وجہ ایسی نہیں ہے کہ ہم اسے اپنی بہتری کی خاطر قبول نہ کریں۔ اس کام کے لئے تو اس کتاب کا مطالعہ کچھ مشکل نہیں ہے جس کے لئے یہ دعویٰ ہے کہ یہ آخری کتاب ہے اور جس میں تکمیل شدہ دین نہایت صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ ممکن ہے بعض حضرات کے لئے اس کتاب کے مطالعہ کے لئے وقت نہ ہو تو کم از کم اس مختصر سے رسالہ ہی کا بغور مطالعہ کریں۔ چونکہ اس میں تکمیل شدہ دین کی خوبیوں کو پیش کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ یہی دین الٰہی یا دین خالق

ہے۔ کسی پیغمبر کی مجال نہیں تھی کہ وہ ازخود کوئی آیت یا نشانی لے آتا۔ یہ سب کچھ انسان کی بہتری کی خاطر خالق کی جانب سے ہے اور اسی کے اختیار کرنے میں انسان کی بہتری ہے کہ دنیا کے انسانوں کے لئے یہی ایک احسن طریقہ ہے اور خوشی سے قبول کیا جائے یا ناخوشی سے۔ ہر ایک کو بالآخر یہی طریقہ قبول کرنا پڑے گا۔ اس کے بغیر نہ انسان کی اصلاح ممکن ہے اور نہ امن وچین میسر آسکتا ہے چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ انھیں اسلامی احکامات کو غیر دانستہ طور پر بعض بعض ممالک حکومت کی جانب سے قانون نافذ کر کے باشندگان سے منوا رہے ہیں جیسا کہ اکثر مثالیں اس کتاب میں دی گئی ہیں پھر آخر کون سی وجہ ہے کہ اس دین کو جو کسی ایک فرقہ یا طبقہ کی ملکیت نہیں ہے۔ بلکہ خالق کی کل اشرف المخلوقات کے لئے اتارا گیا ہے کیوں نہ قبول کیا جائے۔ تاکہ دنیا میں جو ابتری وقتل و غارتگری، دوسروں کی حق تلفی انسانی اخلاق کی کمی کے باعث جاری ہے۔ اس کا خاتمہ ہو کر انسانیت کو فائدہ پہونچ سکے یہی منشا، اس کتابچہ کا تھا۔

آخر میں ایک بار پھر چیلنج کرتا ہوں کہ دنیا میں اس سے بہتر کوئی طریقہ مکمل موجود نہیں ہے جو اختیار کیا جائے۔ صرف یہی ایک طریقہ ہے جو خالق نے تکمیل کر کے کتاب کی شکل میں اپنے آخری پیغمبر کے ذریعہ دنیا کے لوگوں کے لئے بھیجا ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم سب

اسے اختیار کر کے فائدہ نہ اٹھائیں۔

ایک اور انعام حق تعالیٰ کا ہے اور وہ یہ کہ جب انسان کو پیدا کیا تو اس کے مونس کی حیثیت سے عورت کو بھی بنایا تاکہ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر زندگی بسر کر سکیں اور اطمینان قلب حاصل ہو۔ لیکن جو لوگ تاریخ سے واقف ہیں کیا وہ نہیں جانتے کہ انسانوں نے خالق کے قانون کو پس پشت ڈالکر عورت کے درجہ کو بالکل نیچے ڈال دیا تھا۔ یہاں تک کہ اسے غلام کی حیثیت دیدی تھی۔ عورتوں کی خرید و فروخت کی جاتی تھی ان سے غیر شرعی طور پہ کسب کرایا جاتا تھا۔ ان کا مرد کی جائداد میں کوئی حصہ نہیں تھا۔ بعض فرقہ تو اپنی بیٹی کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔

اسلام نے ابتدا ہی سے حضرت آدم کو بی بی حوا کو عطا کر کے فرمایا کہ وہ ان کی مونس اور ہمدم ہیں۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بڑا مرتبہ عطا فرمایا۔ انھیں جہان کی عورتوں پہ فائق کیا گیا اس کے بعد پیغمبر آخر الزماں کے ذریعہ خالق نے کتاب الٰہی میں عورتوں کے حقوق بھی تقریباً مثل مردوں کے مقرر کر دیئے۔ کتاب الٰہی سے ان حقوق کی ایک فہرست مرتب کی جا سکتی ہے۔ صنف نازک ہونے کے باعث عملی حیثیت سے ان سے صرف جنگی کام نہیں لیا گیا۔ لیکن جنگ کے دوران اور بہت سی خدمات مستورات نے انجام دیں۔ غرض یہ کہ وہ انسان کی حیثیت سے کسی سے پیچھے نہیں رہیں۔

اسلام نے ان کا درجہ اس قدر بلند کیا کہ جس کے باعث پرانی

رسومات جو عورتوں کے خلاف تھیں پاش پاش ہو کر رہ گئیں اور ان کو آزادی نصیب ہوئی۔ حسب ذیل آیات قرآنی ملاحظہ فرمائیں جن سے اس مضمون پر مزید روشنی پڑے گی۔

۱؎ سورۃ النساء۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّکُمْ
.... مِنْھَا رِجَالًا کَثِیْرًا۔

۲؎ ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ .... مسکن الیھا۔

۳؎ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی
.... اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۢ

اوپر کی دو صورتوں میں فرمایا کہ اے لوگو! اللہ سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا۔ اور اسی سے اس کا جوڑا بھی پیدا کیا اور پھر ان دونوں سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پیدا کیا اور انسان کا جوڑا پیدا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس سے سکون حاصل کرے۔ یعنی مرد کے لئے عورت اور عورت کے لئے اس کا مرد باعث سکون و حصول اطمینان قلب ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب آپ اسے کم و بیش برابر کا درجہ دیں۔ چنانچہ اس کے صنف نازک کی حیثیت کو دیکھتے ہوئے اس کے درجات مقرر فرمانے کا ذکر کتاب الٰہی میں جگہ جگہ آتا ہے دوسری صورت میں یہ فرمایا کہ مرد اور عورتیں اگرچہ مختلف قبائل اور کنبوں میں تقسیم ہیں لیکن اللہ کے نزدیک زیادہ معزز وہ ہے جو پرہیزگار یا متقی ہے۔ اس میں مرد یا عورت کی قید نہیں

کی۔ لہٰذا قابل غور ہے کہ عورت کا مقام کس درجہ بلند فرما دیا کہ اس مرد کے مقابلے میں کہیں بہتر ہے۔ جس کے اخلاق و آداب اللہ کو پسند نہ ہوں۔

نظامِ مملکت اور نظریۂ اسلام

ملکی حکومت کے متعلق بھی منشاء الٰہی اس امر کے موجب کہ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْا الرَّسُوْل یہ ہے کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت یا فرمانبرداری کرو، فرمانبرداری یا اطاعت کسی حکم ہی کی ہو سکتی ہے، لہٰذا حکم کا قبل اطاعت صادر ہونا لازمی ہے۔ اور عہد خلیفہ، اول بنی آدم علیہ السلام سے لیا گیا تھا کہ میرے پاس سے جو ہدایات تمہارے پاس آئیں اس کی اتباع تمہارے اوپر لازمی ہے۔ جس کے بعد کسی خوف اور حزن کی بھی ضرورت پیش نہ آئے گی یعنی دوسرے الفاظ۔ امن چین اور خوش گوار زندگی بسر کر سکو گے۔ چنانچہ اس حکم نامہ میں جسے اپنے آخری رسول کی معرفت بندوں پر نازل فرمایا ہے۔ یہ دیکھنا ہے کہ ان جملہ دنیاوی امور کے متعلق ہدایات موجود ہیں یا نہیں جس کا تعلق انسانی زندگی سے ہے۔ مثلاً سب سے پہلے زن و شوہر اولاد۔ رشتہ داران پڑوسیوں ونیز اجنبیوں سے تعلقات کے متعلق احکامات یا ارباب حکومت کی فرمانبرداری۔ حقوق العباد۔ معاملات۔ آقا، حاکم، یا محکوم کے متعلق قواعد موجود ہیں، یا روپیہ کمانا اور اخراجات کا صحیح خرچ، تجارت، سود لین دین۔ حلال و حرام سے اجتناب، اکتساب علم، سزا و جزا، مظلوم

کی امداد، صلح و جنگ، ہر طرح کے جھگڑے اور تنازع باہمی کے لئے عدالت کا قیام وغیرہ وغیرہ، یہ چند مثالیں ہیں جو انسانی ضروریات سے وابستہ ہیں۔ غرض دنیا کے وہ کل امور جو انسانی زندگی کے دوران پیش آتے ہیں۔ ان پر چلنے کی صحیح ہدایات تاکہ انسان اس پر عمل پیرا ہو کر امن و عافیت کی زندگی بسر کر سکے۔ چنانچہ متذکرہ بالا امور کے متعلق ہدایات اس کتاب میں موجود ہیں۔ جو آخری رسول کے ذریعہ دنیا کے سامنے پیش کر دی گئی۔

اس دستور کی موجودگی میں ایک دستور ساز اسمبلی کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی بلکہ صرف ایک سردار اور چند مخلص اس کے مشورہ دینے والوں کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ جو اپنے سرکاری عملہ کے تحت قانون پر عمل کرا سکیں اور اگر کسی امر کے متعلق تشریح کی ضرورت ہو تو اس کے ماہرین کے فیصلہ کے مطابق عمل درآمد کرائیں ٹھیک اس طرح جس طرح اسمبلی کا اسپیکر قانون کے تحت کسی امر کا فیصلہ غلط یا صحیح ہونے کا کرتا ہے۔ اب ایک بہت بڑا سوال سردار اور اس کے مشورہ دینے والوں کا پیدا ہوتا ہے کہ اس کا وجود کس طرح عمل میں آئے۔

سردار کے مسئلہ پر اس طرح غور فرمایئے کہ دنیا میں جس طرح ایک نبی کا ظہور ہوتا ہے اور وہ نبی احکامات الٰہی کتاب کی شکل میں پیش کرتا ہے۔ چونکہ اس کی تعلیمات اخلاص اور خوبیوں سے پر ہوتی ہیں۔ اس لئے اس کے گرد ٹھیک اس طرح انسان لگ جاتے ہیں جس طرح پروانے روشنی کے گرد جمع ہوتے ہیں۔

یہ حالات تو نبی کی موجودگی میں ہوتے ہیں۔ لیکن نبی کے بعد کیا چیز ہوتی ہے جو ان پروانوں کا وجود باقی رکھتی ہے اس بات کا حل ہی ہمارے سوال کا صحیح جواب ہے۔ انسانی فطرت اور اس کی عطا شدہ عقل کا یہ تقاضا ہے کہ وہ نیکی کی تلاش کرتا ہے۔ چنانچہ جب ان کتب کو پڑھتا ہے جن کا تعلق کتاب الٰہی سے ہے یا ان سے کسی طرح مستفید ہوتا ہے تو اس میں اس پر عمل کرنے کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔ اگر وہ دیکھتا ہے دنیا کے رہنے والے دوسروں پر ظلم کر رہے ہیں تو وہ اس کتاب کی روشنی میں ہمدردی کے جذبہ سے سرشار ہو کر اس امر کا پتہ لیتا ہے کہ وہ بھی دوسروں کی مشکلات کو دور کرنے کی کوشش بلیغ کرے گا وہ اپنی اس دھن میں اس طرح مست اور سرشار ہو جاتا ہے کہ سوا اسکے اس فکر کے کسی دوسری فکر کی جانب توجہ نہیں کرتا۔ اس پر اس کام کے انجام دینے کا غلبہ چھا جاتا ہے اور وہ دنیا کے مخلص رہنمایان کے مانند مثلاً ہندوستان کے مشہور رہنمایان محمد علی، شوکت علی، گاندھی جناح کی شکل میں مخلوق کی خاطر میدان میں آ جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں کم و بیش قانون الٰہی کے منشاء کے پیش نظر اصلاحی تدابیر اختیار کرتا ہے اور خدمت خلق کرنے کا اعلان کر دیتا ہے اور جب مخلوق خدا ایسے صحیح شخص کو حق کی خاطر میدان عمل میں آتا دیکھتی ہے تو وہ اس کی اتباع شروع کر دیتی ہے۔ اور یہ سردار اپنے کام کو وسعت دینے کی خاطر انہیں پروانوں میں سے چند پروانے چن کر اپنے

ساتھ لگا لیتا ہے اور وہ کام انجام دینے لگتے ہیں اس سے کہیں زیادہ خوبی سے کام انجام دیتا ہے کہ جسے بڑی سے بڑی اسمبلیاں یا کونسلیں انجام دینے سے قاصر ہیں۔ اس امیر اور اس کے مخلص کارکنان کے بعد ان اسمبلیوں اور ان کے نمائندوں اور ان کے لئے الکشن کے انتظامات اور اس کے ذریعہ ممبران کی انتخاب کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی

چونکہ سردار کا کام صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ ان اہل علم کے ذریعہ جن کو اس قانونی کتاب الٰہی کے علم و فہم کی مہارت ہے اور جو واقعی باعمل بھی ہیں انہیں سے ہی چند اشخاص منتخب کر لے تاکہ وہ قانون الٰہی کی روشنی میں ایسا قانون تیار کر سکیں۔ اور وہی لوگ اس پر لوگوں کو عمل کرنے کی دعوت دیں اور اگر انھیں کوئی فیصلہ دینا پڑے تو اس وقت اپنے عزیز، اقربا خورد یا کلاں کا کچھ پاس اور لحاظ نہ کرے۔ چنانچہ سابقہ تاریخ ان امور کی شاہد اور بطور محکم دلیل کے ہے اور ہزاروں ایسے کارنامے موجود ہیں جن پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ قانون سازی ہر کس و ناکس کا کام نہیں جو عام الکشن سے منتخب ہو کر آ جاتا ہے۔ جبکہ قانون سازی کے متعلق کچھ بھی علمی تحقیق اور معلومات نہیں ہیں۔ اسمبلیاں اور کونسلوں کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کئے جا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ قانون الٰہی تسلیم کر لیا جائے۔ اور باعلم اور فہمیدہ حضرات اسی دیو کی زندگی

میں ایک لائحہ عمل یا قانون تجویز کر کے پیش کر دیں اور اس پر سردار کی موجودگی اور بازپرس کے تحت عمل ہوتا رہے۔ ممکن ہے اس پر سوسائٹی کے بعض حضرات قہقہہ لگائیں لیکن ہمیں ان حضرات سے صرف اتنا کہنا ہے کہ ان سے پیشتر بھی ایسے لوگ ہوئے ہیں جو دوسرے کو نادان تصور کر کے ہنستے تھے لیکن ان کے لئے کتاب الٰہی میں الفاظ موجود ہیں جو قابل غور ہیں۔

"یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ ط وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ط بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ج وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝"

ترجمہ۔ "مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے۔ ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں عورتوں سے تمسخر کریں۔ ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں۔ اور اپنے مومن بھائی کو عیب نہ لگاؤ۔ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔ ایمان لانے کے بعد برا نام (رکھنا) گناہ ہے۔ اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔"

انھیں اگر جواب دینا ہے تو ہماری محکم تجویز کو جو دو دونی چار کی مانند محکم ہے۔ اسی طریقہ حساب کی روشنی میں تردید کر دینے سے دوسروں کو تسکین ہو سکتی ہے۔ نہ کہ صرف قہقہہ لگانے سے۔ لہٰذا ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ انسان کی خوشگوار زندگی بسر کرنے کے متعلق کوئی تجویز اور تدبیر ایسی نہیں چھوڑی

جس کا حل کتاب الٰہی نہ پیش کرتی ہو۔ لہٰذا محض قانون الٰہی کی موجودگی میں کسی دوسرے دستور یا دستور ساز جماعت یا ادارہ کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ کہ جن پر قانون سازی کے لئے اس کی گاڑھی کمائی کا لاکھوں روپیہ صرف کیا جاتا رہے۔ لیکن پہلی شرط انسان کو ایماندار، مخلص اور صالح بنانے کی ہے۔ جس کے لئے ان مدارس کا قیام اور نظام کافی ہے جو خدائی قانون کی روشنی میں قائم کئے جائیں۔ تاکہ ان اداروں سے ایسے طالب علم فارغ ہو کر نکلیں جو قانون الٰہی پر عمل کرانے کے اہل ہوں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ طریقہ تو دنیا کے رہنے والے صرف ایک گروہ کا ہے جو خود کو مسلم کہتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو وہ طبقہ جس کو آپ مسلم کہتے ہیں بذات خود مکمل طور پر اس راستہ پر گامزن نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کتاب میں ہم دوسری جگہ پیش کر چکے ہیں۔ کہ دنیا کی ان مسلم حکومتوں میں جنھیں ہم لفظ مسلم سے تعبیر کرتے ہیں صرف ایک سعودی عرب کی حکومت ایسی ہی جو خود کو اس صف میں اپنے چند اوصاف کی بنا پر شمار کرا سکتی ہے۔ لہٰذا جبکہ خود مسلم حکومتوں کا نظام قانون الٰہی پر مبنی نہیں ہے، تو ان کی حکومتیں بطور نمونہ پیش نہیں کی جا سکتیں بلکہ بطور خود بلا لحاظ مذہب و ملت اس طریقہ کو رائج کرنا چاہئے۔ جو آزمایا ہوا ہے اجس کی شہادت تاریخیں دے رہی ہیں اور وہ جو خود کو مسلم کہتے ہیں وہ اس خدائی فیصلہ کا انتظار کریں جو خالق نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ تمہاری نافرمانی کے باعث تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئینگے جو تعلیم الٰہی پر

عمل پیدا ہو گی اور اس کی اہل ہو گی اور تم اپنے خالق کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ لہٰذا آج نہیں تو کل فرزندان توحید کتاب حق کی طرف رجوع کریں گے۔ کتاب حق ہی کا دستور دنیا کے لوگوں کے رہنمائی کا دستور بن کر رہے گا ـــــ آمین ثم آمین۔

اہل ہنود کی مقدس کتابوں میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت

اہل ہنود کی مقدس کتاب سام وید میں ایک ایسے اوتار کی بشارت دی گئی ہے جو کلجگ میں دنیا میں پھیلی ہوئی خرابیاں دور کرے گا۔ اسی طرح دوسری مقدس کتابوں میں بشارتیں دی گئی ہیں جن مقدس کتابوں یا حضرات کی جانب سے یہ بشارتیں دی گئی ہیں۔ وہ انسانی دنیا کے لئے تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کو سرسری طور پر مطالعہ کر کے نظر انداز کر دینا دانائی اور عقلمندی کے خلاف ہے چونکہ ایسی بشارتیں دینے والے وہ مقدس اشخاص ہیں جو اپنے وجود اور طرز فکر اور اپنی للّٰہیت کے باعث کسی حال میں بھی شبہ سے نہیں دیکھے جا سکتے بلکہ ان کا مقصد مخلوق خدا کو حق کی دعوت دینا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ دنیا سے باطل مٹ کر حق کا تسلط ہو جائے۔ ان حالات میں ایک تعلیم یافتہ شخص اور جو تلاش حق کا دعویدار اور متمنی ہے، وہ چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ اس کی آواز کی چھان بین کر کے لبیک نہ کہے۔

اس لئے خصوصاً ہندوستان کے عوام پر جنکی اکثریت وید اور شاسترو

کے ماننے والوں میں سے ہے، لازم آجاتا ہے کہ اپنے ویدوں کی صداقت قائم رکھنے کے لئے اس کے احکامات اور اعلانات پر بھی عمل پیرا ہوں۔ وہ اعلانات صاف الفاظ میں کہہ رہے ہیں کہ ایک اجنبی ملک اور زبان کا معلم روحانی اپنے صحابہ کے ساتھ آئے گا۔ اس کا نام محمد ہوگا (حوالہ بھوشش پران مہارشی ویاس)۔ اور جب کہ اس دعوت حق میں مدلل اور مشرح طور پر یہ ظاہر کر دیا گیا ہے کہ دنیا کے رہنے والوں کو جس طریقۂ حق پر گامزن رہنے کی ضرورت تھی وہ تکمیل شدہ شکل میں آج سے ۱۴ سو برس قبل اللہ کے آخری نبی محمد صلعم کے ذریعہ دنیا کے سامنے پیش کیا جا چکا ہے۔ اور جس نے بیانگ دہل یہ اعلان کر دیا کہ یہی طریقۂ حق جامع اور کامل حیثیت انسان کی سدھار کی رکھتا ہے بلکہ ایک چیلنج بھی دیدیا گیا ہے اور جس کا تذکرہ کتاب کے شروع میں آچکا ہے کہ یہی طریقہ انسانیت کے لئے مناسب ہے۔ اور اگر کوئی دوسرا طریقہ لایا جا سکتا ہے تو پیش کیا جائے۔ اور یہ خداوندی فیصلہ ہے کہ اس سے بہتر طریقہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔ جس کے ثبوت میں ہم متعدد نشانات پیش کر چکے ہیں کہ دنیا یا ناخوشی سے اس کو اپنانے کے لئے مجبور رہے اور اس کی مثالیں بھی ہم دے چکے ہیں۔

اس دعوت عام کو جو خاص حق کی طرف سے ہے۔ انھیں کے الفاظ میں پیش کر کے ہم اس کتابچہ کو ختم کر رہے ہیں۔ اور امید ہے

کہ دعوت حق کو لوگ قبول کریں گے۔

وہ دعوت حق یہ ہے۔

"اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ
وَالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ . . . . . فْ
. . . . . فَ تَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُ
هَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ج اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ○

ترجمہ "جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے مینہہ برسا کر تمہارے کھانے کے لئے انواع و اقسام کے میوے پیدا کئے پس کسی کو خدا کا ہمسر نہ بناؤ اور تم جانتے تو ہو۔ اور اگر تم کو اس (کتاب) میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد عربی) پر نازل فرمائی ہے کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور خدا کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔ لیکن اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہیں کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے (اور جو) کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔"

یہ کھلی ہوئی دعوت دنیا کے کسی ایک فرقہ کو نہیں دی گئی ہے بلکہ حق تعالی کی جانب سے یہ دعوت عام ہے اور اسی واسطے اس میں "اے لوگو!" کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ صرف کسی خاص

فرقہ یا مذہب سے تعلق رکھنے والوں کے لئے ہی یہ دعوت مخصوص نہیں ہے۔ اور یہ دعوت حق کسی مخصوص طبقہ کے لئے کیوں کر ہو سکتی ہے۔ جبکہ اس کے بسنے والے سب ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ جو دنیا کا سب سے پہلا انسان تھا یعنی باوا آدم اور جس کو ایرین نسل کے لوگ منو کے نام سے پکارتے ہیں۔

اس دعوت حق اور چیلنج کے بعد ہر ایک انسان کیلئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ چیلنج کا جواب دیئے بغیر اسے قبول نہ کرے۔ ظاہر ہے کہ قبول نہ کرنے کی صورت میں اس پر ایک بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرا طریقہ خود دنیا کے سامنے پیش کرے جو کم از کم ۱۴ سو برس سے ابتک نہیں پیش کیا جا سکا۔ اسلئے کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہ جاتا کہ ہم اس دعوت حق کو قبول نہ کریں اور عمل پیرا نہ ہوں جس میں دنیا کے کل انسانوں کی فلاح موجود ہے۔ لہٰذا اس دنیا کے انسانوں کو چاہیئے کہ اس دین حق کو یقین اور استقامت کے ساتھ قبول کر کے عمل پیرا ہو جائیں۔ اور دوسروں کو دعوت حق دیتے رہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

مطبوعہ
نامی پریس
لکھنؤ

مطبوعہ
نامی پریس
لکھنؤ

مطبوعہ
نامی پریس
لکھنؤ